اسلامی عقائد

تصنیف: علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی (کویت)

ترجمہ: محمد عبد الحکیم شرف قادری (پاکستان)

مکتبہ قادریہ ○ لاہور ۸

پاکستان

اِسلامی عقائد

مکّہ معظمہ کے محقق عالم علامہ سیّد محمد علوی مالکی اور شیخ عبداللہ ابن منیع نجدی کے درمیان زیرِ بحث آنیوالے بعض اہم اسلامی عقائد و معمولات پر محققانہ تبصرہ اور عالَم اسلام کی غالب اکثریت کی ترجمانی

تصنیف : علامہ سیّد یوسف سیّد ہاشم رفاعی

ترجمہ : محمد عبدالحکیم شرف قادری

نام کتاب ـــــــ ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ (عربی)
اسلامی عقائد (ترجمہ)

تصنیف ـــــــ علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی (کویت)

ترجمہ ـــــــ محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

تقدیم ـــــــ مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

تقریظ ـــــــ قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی،
علامہ سید محمود احمد رضوی، شارح بخاری،
استاذ العلماء مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ

کتابت: محمد عاشق حسین ہاشمی، چنیوٹ

تصحیح ـــــــ مولانا محمد اختر کمال قادری جامعہ اشرفیہ مبارکپور

طباعت (عربی ایڈیشن) ـــــــ کویت، ۱۹۸۴ء

اشاعت (اردو ایڈیشن) ـــــــ لاہور، جنوری ۱۹۹۰ء / ۱۴۱۰ھ

مطبع ـــــــ سیون برادرز پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت ـــــــ ۴۸/۰۰

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ،
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸ (پاکستان)

دار القرآن الکریم، ۴۲۰۔ الصفاۃ، المنصوریۃ، الکویت

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِؕ

انتساب

والدۂ ماجدہ کے نام!

رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

—— وہ رابعۂ عصر، جن کی آغوش میں فقیر نے پہلی بار اسمِ ذات سُنا۔
—— جن کی زبان پر آخری وقت، بیہوشی کے عالم میں بھی اسمِ ذات جاری رہا۔
—— جو پیکرِ صبر و رضا اور مجسّمۂ حیا تھیں —— جو صوم و صلوٰۃ کی اس قدر پابند تھیں کہ چھ سال تک شدید علالت کے باوجود، باقاعدہ اشاروں سے نماز پڑھتی رہیں اور اوراد و وظائف ادا کرتی رہیں۔
—— قرآنِ پاک کی تلاوت اور درودِ پاک سے تو انہیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔
—— رمضان شریف میں اٹھارہ اٹھارہ، بیس بیس مرتبہ ختمِ کلامِ پاک کرتیں۔
۱۰ ذیقعدہ، ۷ جولائی ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء بروزِ منگل راہیٔ ملکِ بقا ہوئیں

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

غم زدہ

شرف قادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلماتِ تشکّر

پیشِ نظر کتاب بین الاقوامی مقبولیت کے حامل محقق علامہ سیّد یوسف سیّد ہاشم رفاعی مدظلہ کی تصنیف ہے۔ مکہ مکرمہ کے نامور محدّث اور عالمِ اسلام کے مائۂ ناز محقق سیّد محمد علوی مالکی مدظلہ، کی تصنیف الذخائر المحمّدیہ کے ردّ میں نجد کے شیخ عبداللہ بن منیع نے حوار مع المالکی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے سنجیدہ اور متین علمی انداز سے ہٹ کر گفتگو کی تھی، اس کے جواب میں علامہ سیّد یوسف سیّد ہاشم رفاعی مدظلہ، نے پیشِ نظر کتاب ادلّۃ اہل السنۃ والجماعۃ لکھ کر حق کی حمایت کا فریضہ عالمانہ وقار کے ساتھ انجام دیا ہے۔

اس کتاب کا اُردو ترجمہ کرنے اور اس کی طباعت و اشاعت میں راقم کو حضرت رفاعی مدظلہ کی مکمل سرپرستی حاصل رہی ہے جس کے لیے راقم ان کا تہِ دل سے شکر گزار ہے۔ راقم کے محترم فاضل دوست قاری محمد حسین رفاعی اور مولانا محمد حسین رضوی کی پُرخلوص مساعی اس سلسلے میں میرے شاملِ حال رہیں اور ان ہی کے توسط سے مجھے علامہ رفاعی مدظلہ سے شرفِ نیاز حاصل ہوا اور صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار ہوا۔ یہ دونوں حضرات کویت میں حضرت علامہ رفاعی مدظلہ کی سرپرستی میں دین متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولا تعالیٰ کریم جل مجدہ حضرت علامہ رفاعی کی اسلامی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مسلمانوں کے عالمی اتحاد کے لیے ان کی مساعی کو بارآور فرمائے۔

قائدِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ صدر جمعیّت العلماء پاکستان، مجاہدِ ملّت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی مدظلہ، جنرل سیکرٹری جمعیّت العلماء پاکستان اور محدّثِ جلیل

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ شارح بخاری و امیر مرکزی انجمن حزب الاحناف، لاہور نے اس کتاب پر کلمات تقریظ و تقدیم تحریر فرمائے۔

استاذِ گرامی مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی مدظلہ ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، کی سرپرستی میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کا شعبۂ تصنیف و تحقیق قائم ہے جس کے اراکین کی متعدد تصانیف شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بھی اپنی رائے تحریر فرمادی۔ مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ اس شعبے کے ناظم اور راقم کے دیرینہ رفیق محترم ہیں۔ یکتائے زمانہ ادیب اور محقق پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ اس شعبے کے سرپرست ہیں اور مولانا ممتاز احمد سدیدی، راقم کے قلمی کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اور کام کی رفتار تیز کرنے کے لیے تحریک جاری رکھتے ہیں۔

جناب محمد عاشق حسین ہاشمی، خوشنویس (چنیوٹ) اس شعبے کی مطبوعات کی کتابت خدمتِ دین کے جذبے سے کرتے ہیں۔ اُستاذ الخطاطین جناب صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی مدظلہ سرورق کی کتابت فرماتے ہیں۔ اُستاذ الاطباء جناب حکیم محمد سلیم چشتی مدظلہ (فیصل آباد) کے دستِ شفاء سے راقم خصوصی طور پر فیض یاب ہوتا ہے۔ راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے اور دُعا گو کہ مولائے کریم انہیں دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔

مسلک امام احمد رضا بریلوی

پیشِ نظر کتاب میں جن عقائد و معمولات کو بیان کیا گیا ہے، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی تصانیف میں دلائل کی روشنی میں ان کی بھرپور تائید و حمایت کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کا مسلک وہی ہے جو عرب و عجم کے علماء اہل سنت کا ہے، وہ کسی نئے مسلک کے حامی نہیں ہیں۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۸ شوال ۱۴۰۷ھ

۲۵ جون ۱۹۸۷ء

تقریظ

قائدِ اہلِ سُنّت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی

صدر جمعیت العلماء پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وصفیہ نبینا وحبیبنا ووسیلتنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

حضرت صاحب الفضیلۃ والارشاد السید یوسف السید ہاشم الرفاعی حفظہ اللہ نے "ادلۃ اھل السنۃ والجماعۃ" او "الرد المحکم المنیع" لکھ کر اہلِ سنت وجماعت کے دفاع کا حق ادا کر دیا اور حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی نے اس کے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

دلائلِ قاہرہ کا ایک تسلسل ہے اور مذہب مہذب اہلِ سنت وجماعت کی حقانیت کو براہینِ قاطعہ سے ثابت کیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ حضرت مصنف مدظلہ العالی اور حضرت مترجم کو عقائد اہلِ سنت کا دفاع کرنے پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

فقیر شاہ احمد نورانی صدیقی غفرلہ

نزیل لاہور، ۱۱ر شوال ۱۴۰۷ھ

تاثّرات

فقیہ جلیل حضرت علامہ سیّد محمود احمد رضوی مدظلہ العالی

شارح بخاری، امیر مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیشِ نظر کتاب کا نام ہے: "ادلّۃ اھل السنۃ والجماعۃ۔"
دوسرا تفصیلی نام ہے: "الرد المحکم المنیع علیٰ منکرات وشبہات ابن منیع"
یہ کتاب عربی میں ہے اور اس کے مصنّف عالمِ اسلام کی عظیم وجلیل اور معروف علمی وروحانی شخصیت حضرت علامہ السیّد یوسف السیّد ہاشم الرفاعی دامت برکاتہم العالیہ سابق وزیر الدولہ کویت ہیں۔ آپ رفاعی سلسلہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔ علومِ اسلامیہ کے بے نظیر فاضل اور حق گو عالمِ دین ہیں اور ایک عرصہ سے مسلمانوں کی دینی و رُوحانی امور میں دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں راہنمائی فرما رہے ہیں۔ فاضل رفاعی مدظلہٗ نے اس کتاب میں دلائلِ شرعیہ کی حقیقت، حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عظمت، روضۂ نبوی کی زیارت، عالمِ برزخ، شرک و بدعت اور سنت و بدعت کی صحیح تعریف، محفلِ میلاد کا جواز، ایسے مسائل پر دلائلِ شرعیہ کی رُو سے مدلل بحث فرمائی ہے —— اور اہل سنت وجماعت کے مسلک وعقیدہ اور مشرب کے بیان واظہار کے ساتھ ساتھ مخالفین کے اعتراضات و شبہات کا بھی تسلّی بخش جواب دیا ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا مسائل پر پاک و ہند کے علماء اہل سنّت کی تصانیف موجود ہیں، خصوصًا اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز کی تحریرات تو ان موضوعات میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہیں، مگر حضرت فاضل رفاعی مدظلہ کی یہ تصنیف متعدد وجوہ سے بہت اہمیت رکھتی ہے جس کے اظہار و بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ حضرت فاضل رفاعی مدظلہ کی اس تصنیف سے یہ بات آفتابِ نیمروز کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ علماء اہل سنّت، خصوصًا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی تصانیف میں جن عقائد و اعمال کو پیش کیا ہے، وہ ان کے خانہ زاد نہیں، جیسا کہ مخالفین پروپیگنڈا کرتے ہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا عقیدہ اور مسلک و مشرب وہی ہے جو عالمِ اسلام کے معتبر اور معروف ائمۂ دین، صلحاءِ امت اور اولیاء کرام کا تھا۔

اس کتاب کا اُردو ترجمہ برادرِ محترم فاضل جلیل، عالم نبیل حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری زید مجدہٗ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے کیا ہے اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔ مولانا شرف قادری، اہل سنّت و جماعت کی قابلِ قدر علمی شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں پر ان کے حواشی اور تراجم اور متعدد اہم موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم و فضل کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ ایک متقی عالمِ دین اور خاموش طبع شخصیت ہیں اور یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کے لیے وقف کر دیا ہے اور خلوص کے ساتھ مسلکِ حق اہل سنّت و جماعت کی قابلِ قدر خدمت کر رہے ہیں، میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ بطفیل حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم انہیں صحت و سلامتی کے ساتھ دینِ اسلام کی خدمت اور مسلکِ حق اہل سنّت و جماعت کی اشاعت و تبلیغ کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین!

سیّد محمود احمد رضوی

۲ نومبر ۱۹۸۶ء

مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

رائے گرامی

حضرت اُستاذ العلماء مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی مدظلہ

ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان
و ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسلمانوں نے ہمیشہ حق و باطل میں امتیاز قائم رکھا اور کسی بھی انداز سے حق میں باطل کی آمیزش کو قبول نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور ان کے بیان کردہ خطوط پر سختی سے کاربند رہے اور اِدھر اُدھر کی آوازوں کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا، بلکہ دینی معاملات میں جب بھی غیر مانوس بات سنی، تو فوراً اس کا نوٹس لیا، اولین فرصت میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا کرتے ہوئے صدیوں مروجہ اسلاف کے اسلامی نظریات کو محفوظ کیا جس کی بناء پر اعتزالی قوتیں اپنے اقتدار، سرمایہ اور پروپیگنڈہ جیسے موثر سہاروں کے باوجود اہلِ حق سے الگ تھلگ نظر آتے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں علماء حق اس معرکہ آرائی میں مبتلا رہے۔ سابقہ ڈیڑھ صدی سے دین میں اصلاح اور شرک و بدعات کے رد کے عنوان سے وہابی تحریک نے جب مسلمانوں کے عقائد و نظریات اور معمولات کو شرک و بدعت اور کفر قرار دینا شروع کیا، تو پورے عالمِ اسلام کے علماء نے اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے ہوئے وہابیت کو ہباءً منثوراً کرنے کے لیے لسانی اور قلمی جہاد فرمایا اور یک زبان اس کا رد کیا، یہاں تک کہ

پاک و ہند کے وہابی حضرات نے اپنے لیے وہابیت کو گالی سمجھتے ہوئے مختلف نقاب اوڑھ لیے۔

صرف پاک و ہند کے علماء کی تعداد سینکڑوں، بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے جنہوں نے وہابیت کے رد میں کتب تصنیف فرمائیں۔

ان سینکڑوں علماء کی نشان دہی کے بعد جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے وہابیت کے خلاف کارروائی شروع کی، تو انہوں نے مختلف رنگ و لباس اپنائے ہوئے تمام قسم کے وہابیوں کے نقاب اُلٹ دیئے اور عامۃ المسلمین کے سامنے ان کو اصلی صورت میں لا کھڑا کیا جس سے ہر قسم کے وہابی حضرات کو سخت دھچکا لگا، تو وہ فاضل بریلوی کے خلاف بد زبانی پر اُتر آئے اور اپنی تمام تر رسوائی کا ذمہ دار فاضل بریلوی کو ٹھہرانے لگے، حالانکہ حضرت مولانا نے یہ کارروائی اطرافِ عالم کے ہزاروں علماء کی نشان دہی پر کی تھی، بلکہ علماء عرب و عجم سے وہابیوں کی گمراہی اور ضلالت پر فیصلے حاصل کر لینے کے بعد فاضل بریلوی نے حتمی کارروائی شروع کی، مگر اس کے باوجود تمام وہابی حضرات فاضل بریلوی ہی کو اپنا واحد مخالف سمجھتے ہوئے انہی کو اہل سنّت کا ترجمان قرار دے رہے ہیں اور اب مسلکِ حق اہل سنّت و جماعت کے خلاف ہرزہ سرائی بریلویت کے عنوان سے کرنے لگے ہیں۔

اس انداز کو اختیار کرنے میں ان کے دو مقصد ہیں:

ایک یہ کہ انہیں اپنی وہابیت کو پردہ میں رکھ کر اپنے مشن کو جاری رکھنا ہے کیونکہ اہل سنّت کے نام پر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی قرار دینا وہابیت کی کھلی علامت ہے، اس لیے انہوں نے اہل سنّت کی بجائے بریلویت کے نام کو اختیار کر کے مسلمانوں کو مشرک کہنا شروع کیا ہے۔

دوسرا اور بڑا مقصد، عالمِ اسلام کو دھوکہ دے کر فاضل بریلوی کو بدنام کرنا ہے کیونکہ بریلویت کے نام پر پاک و ہند سے باہر کے علماء کو یہ تاثر دینا ہے کہ بریلویت اہل سنّت سے الگ کوئی نیا فرقہ ہے جس کے عقائد و نظریات شرک و بدعت پر مبنی ہیں اور اس کا بانی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ اس فریب سے غیر ممالک کے علماء کرام فاضل بریلوی سے بدظن ہو کر اُن کے خلاف اُن کی ہاں میں ہاں ملائیں اور پھر دوسرے ممالک کے علماء کے تنفر کو پاک و ہند کے عوام کے سامنے بطور حوالہ پیش کر کے یہاں کے عوام کو بھی فاضل بریلوی سے متنفر کر دیا جائے۔

حالانکہ تمام عالمِ اسلام کے علماء حق اہل سنّت و جماعت ہیں اور وہ وہابیت کی تردید میں پیش پیش ہیں جس کی واضح دلیل حال ہی میں مختلف عرب ممالک کے علماء کی وہ تصانیف ہیں، جو انہوں نے وہابیت کے خلاف شائع فرمائی ہیں۔

بطورِ مثال چند کتب اور ان کے مصنّفین کے نام پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) السنّة والبدعة، تالیف الشیخ عبد اللہ محفوظ محمّد الحداد باعلوی الحسینی الحضرمی رئیس القضا الشرعی بحضرموت خریج جامعہ خرطوم

(۲) تقدیم کتاب مذکور، بقلم العلامہ السید علی بن محمد بن یحییٰ، مدیر معہد الدینی بحضرموت (۷ صفحات)

وہابی گروہوں کی مکروفریب پر مبنی اس گہری سازش کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا عربی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ شائع کیا جائے اور دوسرے ممالک کے علماء تک پہنچایا جائے تاکہ وہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

اور دوسری طرف عرب ممالک کے علماء اہل سنّت کی وہابیت کے خلاف تصانیف کا اُردو ترجمہ شائع کیا جائے تاکہ پاک و ہند کے عوام اپنے اس یقین میں پختہ رہیں کہ تمام عالمِ اسلام میں وہابیت کو مردود جماعت جانا جاتا ہے۔

مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب کے قلم و بیان میں اللہ تعالیٰ مزید برکت عطا فرمائے کہ انہوں نے عرب ممالک کے مشہور سکالر، عالم فاضل حضرت مولانا السیّد

یوسف السید ہاشم الرفاعی مدظلہ کی کتاب "ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ" او "الرد المحکم المنیع" کا اُردو ترجمہ کیا تاکہ پاک وہند کے عوام پر ظاہر کیا جا سکے کہ تمام عالمِ اسلام کا مذہب وہی ہے جس کو فاضل بریلوی امام احمد رضا نے اپنی تصنیفات میں واضح فرمایا ہے، اور وہی اہل سنت کا مسلک ہے جو پورے عالمِ اسلام میں رائج ہے اور جس طرح اس مسلک کو شرک و بدعت کہنے والے حضرات پاک وہند میں مذموم ہیں، اسی طرح وہ باقی عالمِ اسلام میں بھی مردود ہیں۔

محمد عبد القیوم قادری ہزاروی
ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقدیم

مجاہدِ ملّت مولانا محمّد عبدالستار خان نیازی مدظلہ

جنرل سیکرٹری جمعیت العلماء پاکستان

العلامۃ الفہامہ نابغۃ العصر السید یوسف السید ہاشم الرفاعی دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف لطیف، ادلۃ اھل السنۃ والجماعۃ کا اردو ترجمہ از مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری پیشِ نظر ہے۔ حضرت علامہ رفاعی کی دوسری تصانیف "خواطر فی السیاسۃ والمجتمع" (جو ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ۱۹۸۵ء میں دارالقرآن الکریم، کویت نے شائع کیا ہے) اور "رسالۃ فی ادلۃ القنوت فی صلاۃ الفجر" وغیرہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید رفاعی کو علوم دینیہ اور سیاسیہ میں خاص ملکہ اور تبحرِ علمی عطا کیا ہے۔ ان کی تحریر میں اس قدر جاذبیت اور اثرانگیزی ہے کہ قاری وجدان اور معرفت کی اسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، جس کی شاہی و سربراہی رحمتِ کائنات فخرِ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی انعام و اکرام اور فیضِ نگاہ سے انہیں عطا کی گئی ہے۔

پیشِ نظر کتاب فضیلۃ الشیخ علامہ سید محمد علوی مالکی کی تصنیف الذخائر المحمدیہ کے رد میں نجد کے شیخ عبداللہ بن منیع کی کتاب حوار مع المالکی کا دندان شکن جواب ہے۔ اس کا دوسرا نام "الرد المحکم المنیع علی منکرات وشبہات ابن منیع فی تہجمہ علی السید محمد علوی المالکی المکی" ہے جو مقدمہ، خاتمہ اور دس فصلوں پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

اِس وقت دین کی بنیادی تعلیمات سے غفلت اور بے خبری جس قدر بڑھ چکی ہے، اُس کا تقاضا یہ ہے کہ علماء و مشائخ اپنی تمام تر مساعی دین کی بنیادی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت پر مرتکز کر دیں، کیونکہ صرف اسی صورت میں لادینیت، بدعقیدگی اور بدعملی کا انسداد ہو سکے گا، لیکن افسوس ہے کہ مثبت علمی و تحقیقی اقدامات کے بجائے نجدی علماء نے نار وا مذہبی تعصب و تشدد کو ہی دین کی خدمت سمجھ رکھا ہے۔ اُن بُرائیوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی جو امتِ مُسلمہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز اور حرام ہیں۔ ان کا سارا زورِ علمی تحریر و تقریر، اُن معمولات کو بدعت، حرام اور شرک قرار دینے پر صرف کیا جاتا ہے، جو صدیوں سے تمام عالمِ اسلام میں نہ صرف رائج ہیں، بلکہ مُستند علماء دین، انہیں جائز اور مستحسن قرار دیتے آئے ہیں۔ اس بے جا تعصب اور مذہبی تشدد کی مسموم فضا میں علماءِ اسلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے ہمہ تن مستعد ہو جائیں۔

یہی وہ فریضہ ہے جو مکۃ المکرمہ میں علامہ سید محمد علوی مالکی، بحرین کے شیخ راشد بن ابراہیم المریخی، مغرب کے علامہ عبدالحیٔ العمروی، عبدالکریم مراد اور کویت میں فضیلۃ الشیخ حضرت العلامۃ الفہامہ السید یوسف السید ہاشم الرفاعی بڑی جرأت اور مردانگی کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں۔

انیسویں صدی میں سید جمال الدین افغانی نے مغرب کی استعماری طاقتوں کے خلاف عالمِ اسلام کو متحد کرنے اور اسلام کے خلاف کفر و نفاق کے باطل تصورات کا رد کرنے اور فرنگ کے مادیت پرستانہ نظام کے زہریلے جراثیم بشکلِ نیچریت فرنگیت جدیدیت اور مسخ شدہ عجمیت، برہمنیت اور اشتراکیت کے مقابلے میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا پاکیزہ سیاسی تصور پیش کیا۔ نیز پان اسلام ازم (اتحادِ عالمِ اسلام) کی تحریک کے ذریعے عالمِ اسلام کی مرکزیت قائم کرنے کے لیے قلندرانہ جدوجہد کی۔ اسی طرح عہدِ حاضر میں سید یوسف رفاعی مدظلہ العالی ایک طرف اسلام کے پاکیزہ تصورات سے تحریف و انحراف، زندقہ و الحاد، خروج و اعتزال اور رفض و بدعت کی آلائشوں کو دُور کر کے مصفّیٰ، منقّیٰ اور مُزکّیٰ اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں، تو دوسری طرف عالمِ اسلام کے داخلی فساد اور خانہ جنگی مثل عراق و ایران جنگ کو جلد از جلد ختم کر کے اتحاد بین المسلمین کے علمبردار ہیں — ان اہم ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ، وہ ورلڈ اسلامک مشن (الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ) کے تمام عالمِ عرب کی نمائندگی کرتے ہوئے نائب صدارت کے عہدہ پر بھی سرفراز ہیں اور اس عالمی تنظیم کے ذریعے اطراف و اکنافِ عالم میں دینِ حقہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے دورے بھی کرتے رہتے ہیں۔

آپ کا سلسلۂ نسب عارفِ کامل، بحرِ ذخارِ معرفت کے شناور فنا فی اللہ و بقا باللہ فدائے مصطفیٰ اولادِ رسول حضرت سید الشیخ احمد کبیر الرفاعی سے ملتا ہے۔ آپ سلسلۂ عالیہ الرفاعیہ کے مسند نشین اور صاحبِ دعوت و ارشاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دلِ خبیر و

بصیرت عطا فرمایا ہے۔ آپ زاہد مرتاض، عابدِ شب زندہ دار اور مستجاب الدعوات عالم دین ہیں۔ آپ کے چہرے بشرے سے سعادت کا نور جھلکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ شانِ محبوبی عطا کی ہے کہ جو شخص اُن پر نظر ڈالتا ہے، گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اُمتِ محمدیہ کی تکالیف اور پریشانی کو دیکھ کر اُن پر رقت اور گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کئی بار عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرما چکے ہیں۔ پاکستان میں بھی وہ عالمی اسلامی اجتماعات میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

آپ ۱۹۶۳ء میں کویت کی آزادی کے بعد قائم ہونے والی پہلی سیاسی جماعت مجلس الامّہ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں کویت گورنمنٹ میں مواصلات ڈاک اور بجلی کے وزیر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک کویت کی کیبنٹ میں ہوم منسٹر رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بلدیہ کے چیئرمین اور کویت کی مجلس الامّہ کے رُکن بھی رہے ہیں۔ بلادِ مغرب، مصر اور سوڈان کی سربراہی کانفرنسوں میں کویت کے نمائندہ وزیر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں پاکستان، ہندوستان اور سعودی عرب کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شریک ہوتے رہے ہے۔ علامہ رفاعی مؤتمر عالم اسلامی کراچی کی ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔

۱۹۷۳ء میں آپ نے الازہر یونیورسٹی کے انداز میں دیگر علوم کے پہلو بہ پہلو علوم دینیہ اور علوم عربیہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ معہد الایمان الشرعی قائم کیا جہاں دینی و دُنیوی تعلیم کے نصاب کی تکمیل کی جاتی ہے۔

۱۹۸۰ء میں آپ نے بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی امداد کے لیے ایک تنظیم الجمعیۃ الکویتیہ قائم کی جس نے بنگلہ دیش میں متعدد مساجد، مدارس اور شفاخانے قائم کیے۔ آپ نے ایک ہفت روزہ جریدہ البلاغ کے نام سے جاری کیا، جو کویت، جزیرہ اور عربی ریاستہائے خلیج میں پہلا اسلامی پرچہ ہے جو آج بھی دینِ متین کی خدمت سر انجام دے رہا ہے۔

جن دنوں آپ کویت پارلیمنٹ کے ممبر تھے، آپ نے ملک میں شراب کی پابندی کا قانون

پاس کرایا۔ یونیورسٹی اور کالجوں میں مخلوط تعلیم کی مخالفت کی اور اسلام کے منافی اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف امور کی شد و مد کے ساتھ مزاحمت کی۔

علامہ رفاعی اعلیٰ پایہ کے محقق اور علم و معرفت کے بحرِ ذخار ہیں۔ علوم اسلامیہ کے بہترین صاحبِ تصانیف ہونے کے ساتھ ساتھ فصیح البیان اور قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ عربی کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی اظہارِ خیال کی قدرت رکھتے ہیں۔ اُن کی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ دقیق النظر اور وسیع المطالعہ محقق عالمِ دین ہیں ــ مسلکِ اہل سنّت و جماعت کی نصرت و حمایت کے لیے وقف ہیں اور ان کی تصانیف میں ہر جگہ انصاف و دیانت کا رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ متانت، شائستگی اور سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ مخالفین کا رد کرتے ہوئے بھی حکیمانہ و ناصحانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔

آپ کا وجودِ مسعود عالمِ اسلام کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت وہ صحیح معنوں میں سید جمال الدین افغانی کے جانشین ہیں۔ اہلِ اسلام کی وحدت اور عالمِ اسلام کا استحکام اُن کی غایت الغایات ہے۔ ایسی ہی نابغۂ روزگار ہستیوں کے لیے علامہ اقبال (علیہ الرحمہ) کہہ گئے ہیں ؎

عمر ہا در کعبہ و بُت، خانہ می نالد حیات

تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر میں برکت دے، صحت و تندرستی سے مالا مال رکھے اور اپنے عزائمِ مبارکہ میں کامیاب و کامران بنانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

خاکسار محمد عبد الستار خان نیازی

نائب صدر الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ
امین العام جمعیت العلماء۔ پاکستان
۲۲۔ اونکار روڈ۔ لاہور

۱۸ر شوال المکرم ۱۴۰۷ھ
۱۵ر جون ۱۹۸۷ء

حدیثِ توسُّل

تحقیقی جائزہ

علامہ رفاعی مدظلہ کی پیشِ نظر تصنیف کے رد میں مسجدِ نبوی کے واعظ، ابوبکر جابر الجزائری نے ایک کتاب بنام وَجَاءُوا يَرْكُضُوْنَ !!! (اچھلتے کودتے ہوئے آئے) لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے غیر ذمہ دار لب و لہجہ اختیار کیا ہے، ایک جگہ حدیثِ توسل پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ درج ذیل مقالہ میں انہی اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے ——— محمد عبدالحکیم شرف قادری

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندوں سے توسّل ابتداء سے آج تک اُمتِ مُسلمہ کا معمول رہا ہے۔ توسل کی دو صورتیں ایسی ہیں، جنہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی جائز قرار دیا ہے:

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو وسیلہ بنانا، یہ ایسا فرض ہے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ ظاہرہ میں اور قیامت کے دن آپ کی دُعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کہتے ہیں کہ ان دو قسموں کے جائز ہونے پر اُمتِ مُسلمہ کا اجماع ہے۔[1]

---

[1] ابن تیمیہ، علامہ: مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام (مطبوعہ ۱۳۹۸ھ) ج ۱، ص ۲۰۱

تیسری قسم یہ ہے کہ وصال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دُعا اور شفاعت کی درخواست کی جائے۔ اس قسم کے جائز یا ناجائز ہونے میں اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اسے شرک اور اصولِ توحید کے مخالف قرار دینے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ شرک بہر حال شرک ہے۔ اگر کسی ہستی کو وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا تو اس ہستی کو دنیا یا آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا۔ کہنا یہ ہے کہ کسی ہستی سے دُعا اور شفاعت کی درخواست کرنا اگر وصال کے بعد شرک ہے تو دُنیا کی زندگی میں بھی شرک ہوگا اور آخرت میں بھی شرک ہوگا۔ دراصل کسی سے دُعا اور شفاعت طلب کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُسے اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا گیا ہے، کیونکہ دعا کرنا بندے ہی کی شان ہے، اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان کسی طرح بھی دُعا کرنا نہیں ہے۔

ہاں اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ شفاعت اور دُعا کی بعد از وصال درخواست کرنا جائز ہے یا نہیں۔ جلیل القدر محدث حافظ ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ) کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

۱۱۳/ (۱۲۰۵۱) حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا فَأُتِيَ الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ: إِيْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ فَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مستقيون (مُسْقَوْنَ) وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسَ، عَلَيْكَ الْكَيْسَ! فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَارَبِّ لَا آلُوْ

اِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْہُ [1]

"ہمیں ابومعاویہ نے حدیث بیان کی اعمش سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے مالک الدار سے، ابوصالح نے فرمایا کہ مالک الدار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازنِ طعام تھے۔ انہوں نے فرمایا، لوگ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی اُمت ہلاک ہوا چاہتی ہے، آپ اس کے لیے بارش کی دُعا فرمائیں اس صحابی کو خواب میں کہا گیا کہ عمر کو جاکر سلام کہو اور انہیں بتاؤ کہ تمہیں بارش عطا کی جائے گی اور یہ بھی کہو کہ (امورِ خلافت ادا کرنے میں مزید) بیدار مغزی سے کام لو۔ اس صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی، تو آپ رو پڑے اور عرض کیا: اے میرے رب! جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے، میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ سیف نے فتوح میں فرمایا کہ خواب دیکھنے والے حضرتِ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ نیز علامہ عسقلانی نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے [2]

وروی ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح

انہی الفاظ میں علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے اس سند کی تصحیح کی ہے [3] علامہ

---

[1] ابن ابی شیبہ، حافظ امام، مصنف (ادارۃ القرآن، کراچی) ج ۱۲، ص ۳۲ - ۳۱

[2] ابن حجر العسقلانی، علامہ: فتح الباری (دار المعرفۃ، بیروت) ج ۲، ص ۴۱۲

[3] احمد بن محمد القسطلانی، علامہ: المواہب اللدنیہ مع الزرقانی (۱۲۹۱ھ) ج ۸، ص ۷۷

زرقانی نے شرح مواہب میں اس تصحیح کو برقرار رکھا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس سند کو صحیح کہا ہے۔ ان کی سند ملاحظہ ہو:

وَقَالَ الْحَافِظُ اَبُوْبَکْرِنِ الْبَیْہَقِیُّ: اَخْبَرَنَا اَبُوْنَصْرِ بْنُ قَتَادَۃَ وَاَبُوْبَکْرِنِ الْفَارِسِیُّ قَالَا: حَدَّثَنَا اَبُوْعُمَرَ بْنُ مَطَرٍ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ عَلِیِّ نِ الذُّھْلِیُّ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ مَالِكٍ قَالَ اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ (الحدیث)

البتہ ان کی روایت میں یہ تصریح ہے: فَاَتَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص) فِی الْمَنَامِ " کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں اس صحابی کے پاس تشریف لائے

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: وَھٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ [1]

علامہ ابن کثیر ایک دوسری سند سے راوی ہیں:

ثُمَّ رَوٰی سَیْفٌ عَنْ مُبَشِّرِ بْنِ الْفُضَیْلِ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ صَخْرٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ مُزَیْنَۃَ عَامَ الرَّمَادَۃِ سَاَلَہٗ اَھْلُہٗ اَنْ یَّذْبَحَ لَھُمْ شَاۃً فَقَالَ: لَیْسَ فِیْھِنَّ شَیْئٌ فَاَلَحُّوْا عَلَیْہِ فَذَبَحَ شَاۃً فَاِذَا عِظَامُھَا حُمُرٌ فَقَالَ یَا مُحَمَّدَاہُ فَلَمَّا اَمْسٰی اُرِیَ فِی الْمَنَامِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَہٗ اَبْشِرْ بِالْحَیَاۃِ اِیْتِ عُمَرَ فَاَقْرِئْہُ مِنِّی السَّلَامَ (الحدیث) [2]

---

[1] ابن کثیر، حافظ: البدایۃ والنہایۃ (مکتبۃ المعارف، بیروت) ج ۷، ص ۹۲-۹۱

[2] ایضاً: ص ۹۱

"سیف بن عمر، مبشر بن فضیل سے راوی ہیں، انہوں نے جبیر ابن صخر سے انہوں نے عاصم بن عمر سے روایت کی۔ عام رمادہ (۱۸ھ) میں قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص سے ان کے گھر والوں نے بکری ذبح کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے فرمایا، بکریوں میں کچھ نہیں ہے۔ ان کے اصرار پر انہوں نے بکری ذبح کی، تو دیکھا کہ اس کی ہڈیاں سرخ ہیں، تو انہوں نے کہا: یا محمداہ! رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں فرما رہے ہیں کہ تمہیں زندگی مبارک ہو، تم عمر کے پاس جاؤ اور انہیں میری طرف سے سلام کہو۔"

یہی علامہ ایک تیسری سند سے راوی ہیں کہ سن سترہ کے آخر اور سن اٹھارہ کی ابتدا میں مدینہ طیبہ میں سخت قحط واقع ہوا، جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے یہاں تک کہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام دیا۔ حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کر کے، دو رکعت نماز پڑھائی اور اس کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم مجھ سے کوئی ایسا معاملہ دیکھتے ہو؟ کہ اس کا غیر اس سے بہتر ہو، حاضرین نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا، بلال بن حارث اس اس طرح کہتے ہیں۔ حاضرین نے کہا انہوں نے سچ کہا۔ اصل عبارت اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہو:

قَالَ سَيْفُ بْنُ عُمَرَ عَنْ سَهْلِ بْنِ يُوسُفَ السُّلَمِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ عَامُ الرَّمَادَةِ فِي آخِرِ سَنَةِ سَبْعَ عَشْرَةَ وَأَوَّلِ سَنَةِ ثَمَانِي عَشْرَةَ، أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ وَمَا حَوْلَهَا جُوْعٌ فَهَلَكَ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ . . . . حَتّٰى أَقْبَلَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ

فَاسْتَأْذِنْ عَلٰی عُمَرَ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَیْكَ، یَقُوْلُ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَهِدْتُكَ كَیِّسًا وَمَا زِلْتَ عَلٰی ذٰلِكَ فَمَا شَأْنُكَ؟ قَالَ مَتٰی رَأَیْتَ هٰذَا؟ قَالَ: اَلْبَارِحَةَ فَخَرَجَ فَنَادٰی فِی النَّاسِ الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَصَلّٰی بِهِمْ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ مِنِّیْ اَمْرًا غَیْرُهُ خَیْرٌ مِّنْهُ؟ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ لَا، فَقَالَ: اِنَّ بِلَالَ بْنَ الْحَارِثِ یَزْعُمُ ذِیَّةَ ذِیَّةَ۔ قَالُوْا صَدَقَ بِلَالٌ فَاسْتَغِثْ بِاللّٰهِ ثُمَّ بِالْمُسْلِمِیْنَ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ[1]

ان احادیثِ مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ایک صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کے وصالِ مبارک کے بعد فریاد پیش کی اور بارش کی دُعا کی درخواست کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں بشارت دی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پیغام دیا۔ حضرت عمر نے صحابہ اور تابعین کے مجمع عام میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو شرک ہے، بلکہ انہوں نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق کی اور فرمایا، صَدَقَ بِلَالٌ، صحابہ کرام اور تابعین کا یہ وہ اجماع ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ حاضرین نے بالاتفاق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد استعانت و استغاثہ اور دُعا کی درخواست کو جائز قرار دیا۔

ابوبکر جابر الجزائری، واعظ مسجد نبوی جو توسل کو جائز قرار دینے والے علماء پر زبان

---

[1] ابن کثیر، حافظ: البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۹۱

طعن دراز کرنے میں احتیاط کی حدوں سے گزر گئے ہیں، کہتے ہیں:

"حضرت بلال بن حارث کی روایت جسے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، اُس نے مجھے واقعی حیران کر دیا۔[۱]

پھر باعثِ حیرت یوں بیان کرتے ہیں:

یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ دین کے سب سے بڑے اصل کے مخالف ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ قصد اور طلب کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہیے اور اس روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جبکہ آپ قبر میں ہیں۔ سوال کیا گیا ہے کہ اُمت کے لیے بارش کی دُعا فرمائیں۔[۲]

جواب:

اللہ اکبر! اگر یہی توحید ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی حیات میں دعا و شفاعت کی درخواست کرنا بھی اصولِ دین کے مخالف ہوگا، کیونکہ بیان مذکور کے مطابق دین کی سب سے بڑی اصل یہ ہے کہ جو مانگنا ہے، اللہ تعالیٰ سے مانگو اور مخلوق سے مانگنا توحید کے منافی ہے۔ اب اگر کسی ہستی سے وصال کے بعد مانگیں، تو بھی توحید کے منافی اور اگر ان کی زندگی میں مانگیں تو بھی توحید کے منافی۔ یہ کیسی توحید ہے؟ کہ کسی مخلوق سے وفات کے بعد سوال کیا جائے، تو اس کے تقاضے مجروح ہو جاتے ہیں اور زندگی میں مانگیں تو جائز ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا جیسے کہ قیامت کے دن لوگ آپ سے درخواست کریں گے کہ ہمارے لیے شفاعت فرمائیں اور جیسے کہ صحابہ، استسقاء وغیرہ میں آپ کی شفاعت کو وسیلہ

---

[۱] ابوبکر جابر الجزائری: وجاؤا یرکضون ص ۲۳
[۲] ایضاً: ص ۲۳

بناتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو یہ تیسری قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں آپ کی عزت و کرامت کے سبب آپ کی دعا اور شفاعت قبول فرماتا ہے، لہٰذا جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت اور دعا فرمائیں، وہ اس شخص سے مختلف ہے جس کے لیے آپ دعا اور شفاعت نہ فرمائیں۔[۱]

یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ بقول جزائری اس حدیث کو امام بخاری، امام بیہقی اور حافظ ابن حجر نے بیان کیا اور اس سے پہلے گزر چکا کہ اس حدیث کو حافظ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، سیف بن عمر نے فتوح میں روایت کیا اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس سند کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔

اس سے پہلے حافظ ابن کثیر کی ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نے بکری ذبح کی، تو کھال اتارنے پر سرخ ہڈیاں نمودار ہوئیں۔ یہ حدیث اسی سند کے ساتھ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے[۲] یہی روایت ابن اثیر نے الکامل میں بیان کی ہے۔[۳]

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، حدیث کے چند مزید حوالے ملاحظہ ہوں:

ابن ابی خیثمہ نے یہ حدیث روایت کی جسے علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں نقل کیا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب ج ۲، ص ۴۶۴ حرف عمر میں بیان کیا۔

امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں ص ۱۷۴ میں نقل کیا۔

---

[۱] احمد بن تیمیہ۔ علامہ: مجموعہ فتاویٰ ج ۱، ص ۲۴۷

[۲] محمد بن جریر طبری: تاریخ الامم والملوک (دار القلم، بیروت) ج ۴، ص ۲۲۴

[۳] ابن الاثیر: الکامل فی التاریخ (دار صادر، بیروت) ج ۲ ص ۵۵۶

عالمِ اسلام کے ان جلیل القدر محدثین کرام کی روایت، تصحیح اور استناد کے باوجود اگر اس قسم کی تنقیدات کا دروازہ کھول دیا جائے کہ یہ حدیث تو اصولِ دین ہی کے خلاف ہے، تو کہنے دیجیے کہ دنیا کا اعتماد صرف ان ائمۂ دین ہی سے نہیں، دین سے بھی اُٹھ جائے گا۔

علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں :

والبخاری من اعرف خلق اللّٰہ بالحدیث وعللہ مع فقھہ فیہ [۱]

امام بخاری حدیث اور اس کی علل کی معرفت مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ معرفت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ اور حدیث کی فقاہت بھی رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا جلیل القدر امام اور دیگر ائمہ ایسی حدیث روایت کر جائیں۔ جو اصولِ دین کے منافی ہو اور وہ کنایۃً اور اشارۃً بھی اس کی تضعیف نہ کریں۔

ابوبکر جزائری نے دوسرا اعتراض یہ کیا کہ یہ روایت خواب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور خوابوں سے احکامِ شرعیہ ثابت نہیں کیے جا سکتے، ہاں انبیاء کی خوابیں دلیل بن سکتی ہیں کہ وہ وحی ہیں۔ [۲]

جواب : اس روایت سے استدلال اس بناء پر ہے کہ ایک صحابی بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں خواب میں بارش کی بشارت دی، انہوں نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ اور تابعین کے سامنے اسے بیان کیا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کرنا شرک ہوتا، تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے صحابی اس کا

---

[۱] احمد بن تیمیہ، علامہ : مجموعۃ الفتاوٰی ج ۱، ص ۲۵۶

[۲] ابوبکر جابر الجزائری : وجاؤا یرکضون ص ۲۶

ارتکاب کیوں کرتے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا صحابۂ کرام میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ یہ تو شرک تھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ گویا صحابۂ کرام کا یہ واضح ترین اجماع تھا کہ ان کا عمل نہ شرک تھا اور نہ ہی حرام۔ بلکہ آج تک مسلّم ائمۂ دین میں سے کسی نے بھی اسے شرک قرار نہیں دیا، تو اگر آج کوئی شخص صحابی کے اس عمل کو شرک یا حرام قرار دیتا ہے تو اُس کا قول اجماعِ صحابہ اور ائمۂ دین کے مقابل کیا حیثیت رکھتا ہے؟

ابوبکر جزائری کا تیسرا اعتراض اس حدیث کی سند پر جرح ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سند میں اَعمش ہیں جو مُدلّس ہیں، لہٰذا جب تک سماع کی تصریح نہ کریں، ان کی روایت قابلِ استدلال نہیں ہے۔ [1]

جواب: ائمہ محدثین سے پوچھیے کہ اَعمش کون ہیں؟ وہ جلیل القدر تابعی اور ائمۂ فقہ و حدیث کے اُستاذ ہیں۔ امام الائمہ امامِ اعظم ابوحنیفہ اور امیر المومنین فی الحدیث حضرت شعبہ کے استاذِ حدیث ہیں۔ صحیحین، بلکہ صحاحِ ستّہ کے راویوں میں سے ہیں۔

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اَلَا تَرٰی اَنَّکَ اِذَا وَازَنْتَ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ الَّذِيْنَ سَمَّيْنَاهُمْ عَطَاءً وَّيَزِيْدُ وَلَيْثٌ بِمَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ وَسُلَيْمٰنَ الْاَعْمَشِ وَاِسْمٰعِيْلَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ فِيْ اِتْقَانِ الْحَدِيْثِ وَالْاِسْتِقَامَةِ فِيْهِ وَجَدْتَّهُمْ مُبَايِنِيْنَ لَهُمْ لَا يُدَانُوْنَهُمْ لَا شَكَّ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيْثِ فِيْ ذٰلِكَ لِلَّذِيْ اسْتَفَاضَ مِنْ صِحَّةِ حِفْظِ مَنْصُوْرٍ وَالْاَعْمَشِ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِتْقَانِهِمْ لِحَدِيْثِهِمْ۔ [2]

---

[1] ابوبکر جزائری، وجاؤا یرکضون ص ۲۳

[2] مسلم بن الحجاج القشیری، الامام: صحیح مسلم (مکتبہ رشیدیہ، دہلی)، ج ۱، ص ۴

جب تو ان مذکورہ حضرات، عطاء، یزید اور لیث کا منصور بن معتمر، سلیمان اعمش اور اسماعیل ابن ابی خالد سے حدیث کے ضبط اور استقامت میں موازنہ کرے، تو پہلے تین حضرات کو مؤخر الذکر حضرات سے الگ پائے گا، یہ اُن کے مقام کے قریب بھی نہیں ہیں، علماء حدیث کے نزدیک یہ حقیقت بلاشک وشبہہ ثابت ہے، کیونکہ منصور، اعمش اور اسماعیل کے حافظہ کی صحت اور ان کا حدیث کو محفوظ کرنا مشہور و معروف ہے۔

غور کیجیے: اوّل الذکر تین حضرات مستور العیب ہیں، صادق اور صاحب علم ہیں، اس کے باوجود وہ امام مسلم کے نزدیک مؤخر الذکر حضرات کے مقام کو نہیں پہنچتے، جن میں امام اعمش بھی ہیں۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ امام مسلم کے نزدیک امام اعمش کا مقام کیا ہے؟

ابن ابی حاتم، امام اعمش کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَوٰی عَنْهُ الثَّوْرِیُّ وَشُعْبَۃُ ۔ ۔ ۔ ۔ عَنْ یَحْیٰی بْنِ مَعِیْنٍ اَنَّهٗ قَالَ سُلَیْمَانُ بْنُ مِهْرَانَ ثِقَۃٌ ۔ ۔ ۔ ۔ کَانَ جَرِیْرٌ اِذَا حَدَّثَ عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ هٰذَا الدِّیْبَاجُ وَهُوَ اُسْتَاذُ الْکُوْفَۃِ ۔ ۔ ۔ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا زُرْعَۃَ یَقُوْلُ سُلَیْمٰنُ الْاَعْمَشُ اِمَامٌ[1]

اُن سے سفیان ثوری اور شعبہ نے روایت کی ہے، یحییٰ ابن معین سے مروی ہے کہ سلیمان اعمش، ثقہ ہیں، جریر جب اعمش سے روایت کرتے تو کہتے کہ یہ دیباج (قیمتی روایت) ہے اور وہ اہل کوفہ کے استاذ ہیں۔ عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ابو زرعہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ سلیمان اعمش امام ہیں۔

---

[1] عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، امام: کتاب الجرح والتعدیل (دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ج ۴ ص ۱۴۶-۱۴۷

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

یہ امام اعمش، امام اجل، ثقہ، ثبت، حجت، حافظ کبیر القدر، جلیل الفخر، اجلہ ائمہ تابعین و رجالِ صحاح ستہ سے ہیں، جن کی وثاقت، عدالت، جلالت، آفتاب نیم روز سے روشن تر، ان کا اسم مبارک سلیمان ہے ۔۔۔

۔۔۔ اسی تقریب میں تھا: سُلَیْمٰنُ بْنُ مِہْرَانَ الْاَعْمَشُ ثِقَۃٌ، حَافِظٌ، عَارِفٌ بِالْقِرَاءَۃِ وَرِعٌ [۱]

رہا یہ مسئلہ کہ وہ مدلس ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تدلیس کیا ہے؟ کیا مدلس کی روایت مقبول ہی نہیں ہوتی؟ شارح مسلم، امام نووی فرماتے ہیں کہ تدلیس کی ایک قسم یہ ہے کہ راوی اپنے کسی معاصر سے وہ حدیث روایت کرے جو اس سے سُنی نہیں ہے اور انداز ایسا ہو کہ سننے والے کو گمان ہو کہ اس سے حدیث سُنی ہے، مثلاً کہے، قَالَ فُلَانٌ۔ فلاں نے اس طرح کہا یا عَنْ فُلَانٍ۔ فلاں سے روایت ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہے، اگرچہ سماع کی تصریح ہی کر دے۔ امام نووی فرماتے ہیں:

وَالصَّحِیْحُ مَاقَالَہُ الْجَمَاھِیْرُ مِنَ الطَّوَائِفِ اِنَّ مَا رَوَاہُ بِلَفْظٍ مُحْتَمِلٍ لَمْ یُبَیِّنْ فِیْہِ السَّمَاعَ فَھُوَ مُرْسَلٌ وَمَا بَیَّنَہُ فِیْہِ کَسَمِعْتُ وَحَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا وَشِبْہِہِمَا فَھُوَ صَحِیْحٌ مَقْبُوْلٌ یُحْتَجُّ بِہٖ وَفِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِھِمَا مِنْ کُتُبِ الْاُصُوْلِ مِنْ ھٰذَا الضَّرْبِ کَثِیْرٌ لَایُحْصٰی، کَقَتَادَۃَ وَالْاَعْمَشِ وَالسُّفْیَانَیْنِ وَھُشَیْمٍ وَغَیْرِھِمْ، وَدَلِیْلُ ھٰذَا اَنَّ التَّدْلِیْسَ لَیْسَ کَذِبًا۔ [۲]

---

[۱] احمد رضا بریلوی، امام : فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ میرٹھ، ہند) ج ۲، ص ۹

[۲] یحییٰ بن شرف النواوی، الامام : مقدمہ شرح مسلم (رشیدیہ، دہلی) ص ۱۸

صحیح وہ ہے جو جمہور محدثین نے فرمایا کہ اگر مدلس ایسے لفظ سے روایت کرے جو احتمال رکھتا ہو اور سماع کی تصریح نہ کرے تو وہ مرسل ہے اور جس میں سماع کی تصریح کردے، مثلاً کہے سمعتُ، حدثنا یا اخبرنا وغیرہ تو وہ حدیث صحیح اور مقبول ہے اور قابلِ استدلال ہے۔ صحیحین وغیرہما کتبِ اصول میں اس قسم کی ان گنت حدیثیں ہیں، جیسے قتادہ، اعمش، دونوں سفیان (سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ) اور ہشیم وغیرہم اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تدلیس جھوٹ نہیں ہے۔

غور کیجیے! امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ تدلیس جھوٹ نہیں ہے اور مدلس اگر سماع کی تصریح نہیں کرتا، تو اس کی روایت مرسل ہے اور حدیث مرسل کے بارے میں امام نووی ہی کا بیان ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

ثُمَّ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَالْمُحَدِّثِيْنَ اَوْجُمْهُوْرِهِمْ وَجَمَاعَةٍ مِّنَ الْفُقَهَاءِ اَنَّهٗ لَا يُحْتَجُّ بِالْمُرْسَلِ وَ مَذْهَبُ مَالِكٍ وَّاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَحْمَدُ وَاَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ اَنَّهٗ يُحْتَجُّ بِهٖ وَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ اَنَّهٗ اِذَا انْضَمَّ اِلَى الْمُرْسَلِ مَا يَعْضُدُهٗ اُحْتُجَّ بِهٖ وَذٰلِكَ بِاَنْ يُّرْوٰى اَيْضًا مُسْنَدًا اَوْ مُرْسَلًا مِّنْ جِهَةٍ اُخْرٰى اَوْ يَعْمَلَ بِهٖ بَعْضُ الصَّحَابَةِ اَوْ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ۔ [1]

پھر امام شافعی اور محدثین یا جمہور محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مرسل سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء فرماتے ہیں، مرسل سے استدلال کیا جائے گا۔

---

[1] یحییٰ بن شرف النووی، الامام: مقدمہ شرح مسلم (دہلی) ص ۱۷

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی دوسری روایت مرسل کو تقویت دینے والی مل جائے تو اس سے استدلال کیا جائے گا۔ مثلاً وہ حدیث دوسری سند سے مسنداً یا مرسلاً مروی ہو، یا اس پر بعض صحابہ یا اکثر علماء کا عمل ہو۔ حدیث مذکور میں ایک راوی اگر مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی . . . تو وہ حدیث مرسل ہے اور حدیث مرسل امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک غیر مشروط طور پر حجت ہے۔ ہم البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے دو روایتیں دوسری سندوں سے نقل کر چکے ہیں، لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث چاروں اماموں کے نزدیک حجت ہے۔

یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ امام اعمش تابعی ہیں اور علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

وَاَمَّا التَّابِعُوْنَ فَلَمْ يُعْرَفْ تَعَمُّدُ الْكَذِبِ فِي التَّابِعِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ وَالشَّامِ وَالْبَصْرَةِ بِخِلَافِ الشِّيْعَةِ فَاِنَّ الْكَذِبَ مَعْرُوْفٌ فِيْهِمْ، وَقَدْ عُرِفَ الْكَذِبُ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ فِيْ طَوَائِفَ [1]

مکہ، مدینہ، شام اور بصرہ کے تابعین میں عمداً جھوٹ بولنا معروف نہیں ہے۔ بخلاف شیعہ کے کہ ان میں جھوٹ معروف ہے، ان کے بعد مختلف گروہوں میں جھوٹ معروف ہے۔

دوسرے راوی سیف ضبی ہیں، جن پر جزائری صاحب نے تنقید کی ہے، وہ کہتے ہیں سیف ضبی وہ شخص ہیں جنہوں نے ذکر کیا کہ ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر حاضر ہوتے (اس کے بعد حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا)، اور سیف ضبی پر زندیق ہونے کی تہمت ہے۔ ان کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا کہ ان پر زندیق

---

[1] احمد بن تیمیہ، مجموعہ فتاویٰ، ج ۱ ۲۴۹

ہونے کی تہمت ہے اور ان کی احادیث منکر ہیں۔ [1]

ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ استدلال کا دارومدار حافظ ابن ابی شیبہ کی روایت پر ہے اور وہ بلاشبہ صحیح ہے۔ اس میں سیف ضبی نام کے کسی راوی کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر کی باقی دو روایتیں محض تائید و تقویت کے لیے ذکر کی گئی ہیں۔

تیسرے راوی حضرت مالک الدار ہیں، جن کے بارے میں جزائری کہتے ہیں،

مالک الدار جن پر اس روایت کا مدار ہے، مجہول ہیں۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم ان کے ذکر سے خاموش ہیں اور علماء حدیث کے نزدیک قاعدہ ہے کہ جس کے ذکر سے امام بخاری اور ابن ابی حاتم خاموش ہوں، وہ مجہول اور غیر معروف ہے۔ [2]

جواب: یہ قاعدہ کس مسلّم محدث نے بیان کیا ہے؟ اور کس کتاب میں؟ اسے تو کوئی صاحب علم تسلیم نہیں کرے گا کہ جو کچھ آپ کہہ دیں، وہ قاعدہ بن جائے۔ اصولِ حدیث کی اصطلاح کے مطابق راوی کے مجہول ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کا نام ہی نہیں لیا جاتا، مثلاً کہا جائے کہ مجھے ایک شیخ نے بیان کیا یا اس کے متعدد اوصاف میں سے غیر مشہور وصف کا ذکر کر دیا جائے اور اگر راوی کا نام بیان کیا گیا ہے، تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

۱۔ ان سے صرف ایک راوی روایت کرتا ہے، اسے مجہول العین کہتے ہیں۔

۲۔ اس راوی سے دو یا دو سے زیادہ حضرات روایت کرتے ہیں، مگر اس راوی کی توثیق نہیں کی گئی، ایسے راوی کو مجہول الحال کہتے ہیں۔ [3]

اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے، تو مالک الدار نہ تو مجہول العین ہیں، کیونکہ

---

[1] ابوبکر جابر الجزائری: وجاء ابرکضون ص ۶۴

[2] ایضاً: ص ۲۴

[3] ابن حجر عسقلانی امام: نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر (مطبوعہ ملتان) ص ۸۷-۸۵

اس روایت میں ان کا نام ذکر کیا گیا ہے اور ان سے روایت کرنے والے متعدد حضرات ہیں۔ نیز ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ بقول علامہ ابن تیمیہؒ تابعین جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ حضرت مالک الدار تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازن تھے۔ اگر ان کی امانت، دیانت اور صداقت، شک وشبہ سے بالاتر نہ ہوتی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں خازن مقرر نہ فرماتے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں تقسیم کے کام پر مقرر نہ فرماتے۔

ابن سعد فرماتے ہیں:

مَالِكُ الدَّارِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدِ انْتَمَوْا إِلَى جُبْلَانَ مِنْ حِمْيَرٍ وَرَوَى مَالِكُ الدَّارِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَحِمَهُمَا اللهُ رَوَى عَنْهُ أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ، وَكَانَ مَعْرُوفًا [1]

مالک الدار، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ لوگ قبیلہ حمیر کی شاخ جُبلان کی طرف منسوب تھے۔ مالک الدار نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور ان سے ابوصالح سمان نے روایت کی اور وہ معروف تھے۔

ابن سعد ایسے محدث جلیل القدر اور اسماء رجال کے ماہر کہتے ہیں کہ مالک الدار معروف تھے۔ ان کے مقابل جزائری کی بات کون مانے گا کہ وہ مجہول تھے جبکہ جزائری کا مبلغ علم خود ان کے بیان کے مطابق یہ ہے:

مجھے اس روایت نے واقعی حیران کر دیا، میں نے محدث مدینہ شیخ حماد انصاری سے رابطہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس حدیث کے

---

[1] ابن سعد، امام: طبقات ابن سعد (دار صادر، بیروت) ج ۵، ص ۱۲

ماخذ کا مطالعہ کیا ہے، چنانچہ یہ حدیث نہ تو سند کے اعتبار سے مقبول ہے اور نہ متن کے اعتبار سے (ملخصاً) [1]

اس کے بعد وہ اعتراضات بیان کیے، جن کا بے بنیاد ہونا اس سے پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ اس تفصیل سے شیخ انصاری کے علمی پائے کا راز بھی طشت از بام ہو گیا۔ نیز اس سے جزائری کے مقامِ علمی کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو شیخ انصاری سے کوسوں پیچھے ہیں۔

اب ذرا لگے ہاتھوں حضرت مالک الدار کا تعارف علامہ زرقانی مالکی کی زبانی بھی سُن لیجیے، وہ فرماتے ہیں:

مَالِكُ الدَّارِ وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ وَهُوَ مَالِكُ بْنُ عِيَاضٍ مَوْلٰى عُمَرَ لَهٗ اِدْرَاكٌ وَّ رِوَايَةٌ عَنِ الشَّيْخَيْنِ وَمُعَاذٍ وَاَبِيْ عُبَيْدَةَ وَعَنْهُ اِبْنَاهُ عَبْدُ اللهِ وَعَوْنٌ وَاَبُوْصَالِحٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَعِيْدِنِ الْمَخْزُوْمِيُّ قَالَ اَبُوْعُبَيْدَةَ وَوَلَّاهُ عُمَرُ كَيْلَةَ عِيَالِ عُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَلَّاهُ الْقِسْمَ فَسُمِّيَ مَالِكَ الدَّارِ۔ [2]

مالک الدار، حضرت عمر کے خازن تھے، یہ مالک بن عیاض، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ مبارکہ پایا۔ وہ شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر)، حضرت معاذ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے ان کے دو بیٹوں

---

[1] ابوبکر جابر الجزائری: وجاؤا یرکضون ص ۲۳

[2] محمد بن عبد الباقی الزرقانی، علامہ: شرح مواہب اللدنیہ (طبع ۱۲۹۲ھ) ج ۸، ص ۷۷

عبداللہ اور عوف کے علاوہ ابو صالح، عبدالرحمن بن سعید مخزومی نے روایت کی۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے انہیں اپنے عیال کے لیے غلّے کی پیمائش پر مقرر کیا اور حضرت عثمانِ غنی نے اپنے زمانے میں انہیں تقسیم پر مامور کیا۔

علامہ زرقانی نے حضرت مالک الدار سے روایت کرنے والے چار حضرات کے نام گنائے ہیں، کیا کوئی صاحبِ علم اب بھی انہیں مجہول کہنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ مگر بُرا ہو تعصب بے جا اور تنگ نظری کا کہ جس شخص پر حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مکمل اعتماد کیا، آج انہیں ناقابلِ اعتماد قرار دیا جارہا ہے۔

پھر دیدۂ حیرت سے یہ واقعہ بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت مالک الدار کا ذکر امام بخاری نے بھی کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

۱۲۹۵- مَالِكُ بْنُ عِيَاضٍ الدَّارِ اِنَّ عُمَرَ قَالَ يَارَبِّ لَا آلُو اِلَّا مَا عَجَزْتُ عنه، قَالَهُ عَلِيٌّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَازِمٍ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ[1]

مالک بن عیاض الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا سوائے اس کے کہ میں عاجز ہو جاؤں۔ یہ قول علی نے محمد بن خازم سے، انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے مالک الدار سے روایت کیا۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

۹۴۷- مَالِكُ بْنُ عِيَاضٍ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَوٰى عَنْ اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

---

[1] محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: کتاب التاریخ الکبیر (دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ج ۷ ص ۳۰۴-۵

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا، رَوٰی عَنْہُ اَبُوْصَالِحِ نِ السَّمَّانُ سَمِعْتُ یَقُوْلُ ذٰلِکَ۔ [۱]

مالک بن عیاض، حضرت عمر بن خطاب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، اُن سے ابوصالح سمان نے روایت کی وہ کہتے ہیں، میں نے انہیں کہتے ہوئے سُنا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں :

۱۔ شیخ حماد انصاری اور ابوبکر جزائری نے یہ جاننے کے باوجود کہ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت مالک الدار کا ذکر کیا ہے۔ اس حقیقت کا انکار کیا ہے، تو یہ انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ انہیں اس حقیقت کا علم ہی نہیں ہے، تو پھر انہیں کیا حق پہنچتا ہے، کہ جس حدیث کو ائمہ محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اسے محض ہوائے نفس کے تحت نہ صرف ضعیف، بلکہ باطل قرار دیں۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک انبیاء کرام وصال کے بعد بھی زندہ ہیں تو ان کی بارگاہ میں دُعا اور شفاعت کی درخواست کرنے سے کونسی چیز مانع ہے؟ اگر آپ کسی دوسرے عالم اور امام کی بات نہیں مانتے، تو اپنے امام علامہ ابن تیمیہ ہی کی سُن لیجیے :

وَکَذٰلِکَ الْاَنْبِیَآءُ وَالصَّالِحُوْنَ وَاِنْ کَانُوْا اَحْیَاءً فِیْ قُبُوْرِہِمْ وَاِنْ قُدِّرَ اَنَّہُمْ یَدْعُوْنَ لِلْاَحْیَاءِ وَاِنْ وَرَدَتْ بِہٖ آثَارٌ فَلَیْسَ لِاَحَدٍ

---

[۱] عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، امام: کتاب الجرح والتعدیل (دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ج ۸، ص ۲۱۳

اَنْ يَّطْلُبَ مِنْهُمْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ اَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ لِاَنَّ ذٰلِكَ ذَرِيْعَةٌ اِلَى الشِّرْكِ بِهِمْ وَعِبَادَتِهِمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ بِخِلَافِ الطَّلَبِ مِنْ اَحَدِهِمْ فِيْ حَيَاتِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يُفْضِىْ اِلَى الشِّرْكِ، وَلِاَنَّ مَاتَفْعَلُهُ الْمَلَائِكَةُ وَيَفْعَلُهُ الْاَنْبِيَاءُ وَالصَّالِحُوْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ هُوَ بِالْاَمْرِ الْكَوْنِيْ فَلَا يُؤَثِّرُ فِيْهِ سُؤَالُ السَّائِلِيْنَ۔ [1]

اسی طرح انبیاء اور صالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اگرچہ فرض کرلیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دُعا کرتے ہیں، اگرچہ آثار اس بارے میں وارد بھی ہوں، تاہم کسی کے لیے جائز نہیں کہ ان سے دُعا کی درخواست کرے اور سلف میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ یہ انہیں شریک بنانے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کا ذریعہ ہے۔ برخلاف اس کے کہ ان کی زندگی میں درخواست کی جائے تو یہ شرک تک نہیں پہنچاتی۔ نیز انبیاء اور صالحین وصال کے بعد اور فرشتے جو کچھ کرتے ہیں، وہ اَمرِ کَونی کے تحت ہے، لہٰذا اس میں سوال کرنے والوں کا سوال اثر نہ کرے گا۔

علامہ ابن تیمیہ کی یہ رائے کہ وصال کے بعد دُعا کی درخواست کرنا شرک تک پہنچاتا ہے، جمہور علمائے اسلام کے خلاف ہے۔ اگر وہ جمہور علماء سے اختلاف کرسکتے ہیں، تو اُن سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ابھی گزرا ہے کہ صحابیِ رسول حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

[1] احمد بن تیمیہ، علامہ مجموعہ فتاوٰی، ج ۱، ص ۳۳۰

کی بارگاہ میں آپ کے وصال کے بعد دُعا کی درخواست کی، لہٰذا یہ فرق قابلِ تسلیم نہیں کہ زندگی میں دعا کی درخواست شرک تک نہیں پہنچاتی اور وصال کے بعد شرک تک پہنچا دے گی، تاہم انہوں نے درج ذیل امور کو تسلیم کیا ہے:

۱۔ انبیاء و صالحین اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۔ زندوں کے لیے دُعا کر سکتے ہیں اور اس بارے میں آثار بھی وارد ہیں۔

۳۔ وصال کے بعد انبیاء و اولیاء، مختلف افعال انجام دیتے ہیں۔

اُمید کی جاتی ہے کہ انصاف پسند اہلِ حق اس تحقیق سے اتفاق کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اسے عوام و خواص کے لیے فائدہ بخش بنائے۔ آمین!

شرف قادری نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے اور اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔

سید محمد علوی مالکی (مکہ معظمہ کے جلیل القدر عالم دین) کے رد میں محکمہ ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والارشاد، ریاض (سعودی عرب) کی شائع کردہ کتاب "حوار مع المالکی" تصنیف شیخ عبد اللہ بن سلیمان بن منیع، میری نظر سے گزری۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ اس کتاب میں سلف صالحین علماء کرام کی روش کے برعکس سید محمد علوی کی جن آراء اور افکار پر تنقید کی گئی ہے، ان پر دلیل شرعی طلب کیے بغیر اُن کی شخصیت، علمیت، یہاں تک کہ ان کے نسب شریف پر بھی جارحانہ انداز میں حملے کیے گئے ہیں۔ مصنف نے دلیل و بُرہان کی زبان میں گفتگو کرنے کی بجائے طاقت کے زعم میں خود ہی فریق مخالف اور خود ہی جج کا کردار ادا کیا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ فریق مخالف کو ریڈیو یا ٹیلیویژن پر موقع دیا جاتا، فریقین اپنے اپنے دلائل پیش کرتے، شرعی طور پر بھی انہیں اپنے دفاع کا موقع دینا ضروری تھا، لیکن ہوا کیا؟ ان کے خلاف کفر، شرک اور بدعت و ضلالت کا حکم لگا دیا گیا۔ مالی معاملات میں کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طاقت، دولت اور لٹریچر تقسیم کرنے کی قوت کے بل بوتے پر، اپنی رائے دوسرے پر ٹھونس دے۔ تعجب ہے کہ عقیدے کے معاملے میں شیخ علوی کو اتنا موقع بھی نہیں دیا گیا اور یک طرفہ ان کے خلاف فیصلہ دے دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین پر رحم فرمائے کہ جب شیخ نے بعض مسائل میں اجماعِ امت کی مخالفت کی تو اُن حضرات نے انہیں مصر، اور دمشق میں برسرِ عام متعدد مناظروں کا

موقع دیا جن میں علماء، وزراء اور طلباء حاضر تھے، انہوں نے شیخ کے خلاف یک طرفہ فیصلہ نہیں دیا جیسا کہ شیخ ابن منیع نے بیسویں صدی میں کیا ہے۔

کئی سال پہلے ہند میں منعقد ہونے والی ایک اسلامی کانفرنس میں اس کتاب کے مصنف شیخ عبداللہ منیع سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے انہیں لطیف اور نرم خو پایا تھا۔ ان کی پُر لطف گفتگو سے طویل سفر بآسانی طے ہو گیا، لیکن جب میں نے اُن کی یہ تالیف دیکھی جس میں سید علوی اور تمام اہل سنت پر تند و تیز حملے کئے ہیں، تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے اچانک چیتے کی کھال پہن لی۔ اور مشرک گری، گمراہ سازی اور تکفیر کی تلوار لیے سر میدان دکھائی دیتے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں عافیت اور قول و فعل کی درستگی عطا فرمائے۔

ہم انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد دلاتے ہیں:

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر (رواه الشيخان)

مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

قیامت کے روز ظالم اور مظلوم، باغی اور جس کے خلاف بغاوت کی گئی، ان کے درمیان قصاص کی حقیقت بھی ان کے سامنے رہنی چاہیے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

”جس شخص نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو اُسے اُس سے آج ہی معافی مانگ لینی چاہیے، کیونکہ آخرت میں نہ تو درہم ہوں گے اور نہ دینار، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی نیکیاں اس کے بھائی کو دے دی جائیں اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے مظلوم بھائی کے گناہ اُس کے ذمہ ڈال دیئے جائیں۔“

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کے دن بندوں کے باہمی حسابات برابر کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ ظالم کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے کر مظلوم کے گناہ اس کھاتے میں

ڈال دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ہمیں کفار اور مشرکین سے گفتگو کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب سکھائے ہیں۔ کیا ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے گفتگو کرتے وقت جن سے ہمارا کسی عقیدے میں اختلاف ہے۔ اس طریقے سے سبق حاصل نہیں کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے بحث ومباحثہ کے موقع پر ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (البقرۃ ۲، آیۃ ۲۲۰)

اور اللہ جانتا ہے مفسد کو مصلح سے

ایمان وکفر کی حقیقت معلوم ہے، اس کے باوجود معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کر دیا گیا، مسلمان علماء اور طلباء کے درمیان فروعی اور متشابہ مسائل کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے مشرکین قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کس قدر مؤثر پیرائے میں ارشاد فرمایا:

وَاِنَّا اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی ھُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (سبا ۳۴، آیۃ ۲۴)

اور ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں

کیا وجہ ہے کہ ہم قرآن پاک کا طریقہ اختیار نہیں کرتے، جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن کے عالم اور اس کی دعوت پھیلانے والے ہیں اور ہم قرآن اور توحید کے بارے میں غیرت مند ہیں نہ کیا مؤلف کو اس بات کا احساس نہیں رہا کہ کسی انسان یا اس کے اسلاف کی مدح وذم کے موقع پر لوگوں کی حیثیات کو ناحق پامال ہونے سے بچانا ضروری ہے؟ ازالہ حیثیتِ عرفی کی کتنی صورتیں ہیں۔ زنا کا الزام لگانا، گالی دینا، بہتان، غیبت اور کسی بری الذمہ شخص کی نسبت بری باتوں کی تشہیر، ان سب میں قیامت کے دن قصاص جاری ہوگا۔

امام مسلم اور دیگر محدثین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟

صحابہ کرام نے عرض کیا، ہمارے ہاں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری اُمّت کا مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور صدقات لائے گا، ادھر اُس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی، کسی پر زنا کا الزام لگایا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کردی جائیں گی اور اگر اس کے بری الذمہ ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس شخص کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے اور اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

یہ حدیث امام طبرانی نے المعجم اوسط میں روایت کی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن جب ظالم پُل صراط پر اندھیرے اور دشواری میں مبتلا ہوگا تو مظلوم اسے دیکھتے ہی پہچان لے گا اور اسے اس کے مظالم بھی یاد آجائیں گے تب پھر مظلوم، ظالموں کی نیکیاں چھیننے لگیں گے اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں، تو مظلوموں کے گناہ ان کے سر ڈال دیئے جائیں گے اور انہیں جہنّم کے نچلے طبقے میں ڈال دیا جائے گا۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ امام طبرانی نے یہ حدیث معجم اوسط میں روایت کی اور اس کے راوی ثقہ (مستند) ہیں۔

امام ابن ماجہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی مومن کے قتل کرنے میں ایک کلمہ کی جز سے بھی امداد کی، وہ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔
"اللہ کی رحمت سے مایوس"۔

یہ حدیث اصبہانی نے روایت کی اور اس میں اضافہ یہ کیا کہ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں
کہ مثلاً اُقتُل (قتل کردے) پورا کلمہ نہیں کہتا بلکہ صرف اُقْ کہتا ہے، اسی طرح یہ حدیث
امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

شیخ محمد علوی مالکی کا دفاع شرعاً میری ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقرب کا ذریعہ ہے، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں (ہمارا
ایک ہی راستہ ہے) ان کی اذیت میری اذیت اور ان کی خوشی میری خوشی ہے جیسے کہ رسول اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے نواسے
سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا، میں سید مالکی کے ساتھ ہوں، راہ
حق میں صحیح طریقے اور مستند دلیل شرعی سے ان کا مددگار ہوں، جاہلانہ حمیت اور نفسانی
خواہش کا پیرو نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم سب اللہ تعالیٰ کی حدود پر ٹھہرے
ہوئے، اس سے ڈرنے والے اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ ہم خالص حق میں ایک دوسرے
کے مددگار ہیں، خواہشات اور باطل سے منع کرتے ہیں۔

میں اور شیخ علوی اپنے امام اور جد امجد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے پاسبان
ہیں۔ شیخ ابن منیع، شیخ جزائری یا شیخ تویجری کی طرح نہیں ہیں جو سید علوی کے خلاف ازراہ
تکبر وغرور سر جوڑے بیٹھے ہیں، ہم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حاکم وعادل کی بارگاہ میں
حاضر ہونا ہے، جس کا ارشاد ہے،

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (غافر ۴۰ آیۃ ۱۷)

آج ہر شخص کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی، آج کسی پر ظلم نہ ہوگا، بیشک

اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی کا ایسا عیب بیان کیا جو اس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اُسے آتشِ جہنم میں قید فرما دے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے کیے کی سزا بھگت لے۔"

امام طبرانی نے یہ حدیث عمدہ سند سے بیان کی۔ انہی کی ایک اور روایت میں ہے:

"جس نے کسی مسلمان کو عیب لگانے کے لیے ایک ایسا کلمہ مشہور کیا جس سے وہ بری ہے، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جہنم کی آگ میں پگھلائے یہاں تک کہ وہ اپنے جرم کی سزا برداشت کر لے۔"

امام ابوداؤد، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"جس نے کسی ایمان دار پر ایسا عیب لگایا جو اس میں نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے دوزخیوں کے جسموں سے بہنے والی پیپ میں ٹھہرائے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے کیے ہوئے کا خمیازہ بھگت لے۔"

امام طبرانی کی ایک روایت میں ہے: "وَلَیْسَ بِخَارِجٍ۔"

وہ اس سے نہیں نکلے گا۔

سید محمد علوی مالکی، مظلوم ہیں، اُن کی امداد مجھ پر لازم ہے، کیونکہ جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کا عیب بیان کیا جائے یا اُس کی غیبت کی جائے اور وہ خاموش رہے تو وہ دُنیا و آخرت میں گناہ گار ہے۔ نیز تسلّط حاصل کرنے والے ظالم و باغی کے خلاف مظلوم و مقہور مومن کی حمایت میں عظیم اجر و ثواب ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت سہل بن معاذ بن انس جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی مومن کو منافق سے بچایا، اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا" جو قیامت کے روز اُس کے گوشت کو آتشِ دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان کو بے عزت کرنے کے لیے الزام لگایا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پُل پر قید فرمادے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے کہے ہوئے کی سزا برداشت کرلے۔"

امام ابوداؤد اور ابن ابی الدنیا وغیرہما حضرت جابر بن طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو ایسی جگہ بے یارو مددگار چھوڑ دے جہاں اُس کی عزت و حرمت مجروح ہوسکتی ہو، اللہ تعالیٰ اُسے اُس جگہ بے یار و مددگار چھوڑ دے گا، جہاں وہ امداد کا طلب گار ہوگا ——— اور جو مسلمان اپنے مسلم بھائی کی ایسی جگہ امداد کرے گا، جہاں اُس کی عزت و حرمت کو خطرہ ہو ـــ اللہ تعالیٰ اُس کی ایسی جگہ امداد فرمائے گا، جہاں اسے امداد کی ضرورت ہوگی۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ طاقت کے باوجود اُس کی امداد نہ کرے، وہ دُنیا و آخرت میں اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔"

یہ حدیث ابوالشیخ نے کتاب التوبیخ میں اور اصبہانی نے روایت کی جیسا کہ امام منذری کی تصنیف الترغیب والترہیب میں ہے۔

پھر یہ صرف سیّد محمد علوی مالکی کی امداد ہی نہیں ہے، جن پر ظلم کیا گیا اور جن

کے خلاف افترا پردازی سے کام لیا گیا، بلکہ یہ سلف صالحین، چاروں اماموں کے پیروکاروں کے مذہب، مذہبِ اہلِ سنت وجماعت کی تائید وحمایت ہے اسی لیے میں نے اس کا نام رکھا ہے:

اَدِلَّۃُ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ

دوسرا نام یہ تجویز کیا ہے:

اَلرَّدُّ الْمُحْکَمُ الْمَنِیْعُ عَلٰی مُنْکَرَاتِ وَشُبُھَاتِ ابْنِ مَنِیْعٍ

ابن منیع کے شبہات اور اُن کی غلط باتوں کا رد۔

اللہ تعالیٰ ہی مجھے توفیق دینے والا ہے، میرا اسی پر بھروسہ ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

یوسف السیّد ہاشم الرّفاعی

پہلی فصل

دلیل و حجت کی زبان میں گفتگو کرنے کی بجائے مد مقابل کے خلاف زبان درازی سے کام لینا سلف صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ محکمہ ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد (ریاض، سعودی عرب) کے ذمہ دار افراد شیخ ابن منیع اور اُن کے ہم خیال اور معاون علماء، سید محمد علوی مالکی کے مخالف ہیں، جن پر حوار مع المالکی نامی کتاب میں حملے کیے گئے ہیں۔ ان لوگوں کو مرکزی قوت حاصل ہے۔ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنی آراء اور معتقدات کو مخالفین پر ٹھونسنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے پاس پیٹرو ریالوں کے انبار لگے ہوتے ہیں، وہ جو چاہیں چھاپ کر تقسیم کر سکتے ہیں ——— ان حالات میں سید علوی مالکی کے خلاف دلیل اور مناظرہ کا ہتھیار استعمال کرنے کی بجائے زبان درازی اور دبدبۂ حکومت کی تلوار استعمال کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ جیسے کہ خود ابن منیع نے ریاستِ عامہ (محکمہ سابقہ) کی قراردادوں، مکتوبات اور سید علوی کے خلاف شکووں کی اشاعت کے وقت انکشاف کیا۔ سید علوی کے دشمنوں نے انہیں اپنا ہدف بنا لیا ہے اور دینی و معاشی لحاظ سے انہیں مشکلات سے دوچار کر دیا ہے، سید علوی کون؟ جس کے پاس اپنے مذہب اور کتاب و سنت کے دلائل کے سوا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

شریعت، حکمت، عدالت اور حق کے باب میں حکومتِ سعودیہ نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے سید علوی کے مخالفین کے تمام مطالبات نہیں مانے اور اس طرح اپنی دانشمندی سے ایک بہت بڑے فتنے کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ حکومت سعودیہ حرمین شریفین کی خادم ہے، جن سے تمام مسلمانوں کا قلبی تعلق ہے۔ یہ حکومت گویا عالم اسلامی میں ایمان اور

علم کا عَلَم بلند کیے ہوتے ہے، باوجودیکہ عالمِ اسلامی میں متعدد اسلامی مذاہب موجود ہیں۔ اس ملک میں سات یونیورسٹیاں ہیں۔ حکومت نے اپنے طے کردہ نشانات اور اعلانات کا پاس کیا ہے، کیونکہ شیخ سید محمد علوی مالکی اور اُن کے مخالفین کے درمیان زیرِ بحث مسائل میں اختلاف ساتویں صدی ہجری سے چلا آرہا ہے۔ جب شیخ ابن تیمیہ نے بعض مسائل میں جمہور علماء کی مخالفت کی تھی، وہی مسائل آج شیخ ابن منیع اور ان کی جماعت کی بنیاد ہیں۔

جب جمہور علماء نے شیخ ابن تیمیہ کے افکار پر پابندی لگائی، ان کے خلاف درشت گوئی سے کام لیا اور ان کے خلاف مقدمہ چلا کر ان کو قید کر دیا گیا، تو شیخ کے بعض معتقدین نے اسے صلاحیتوں پر قدغن اور جبر و استبداد قرار دیا جو علماء کے شایانِ شان نہیں اور کہا کہ دینِ اسلام جو دینِ حنیف اور روشن شاہراہ ہے اور اس میں اجتہاد اور فکر و نظر کے دروازے کھلے ہیں اور یہ طریقِ کار، اسلامی حریت فکر کے منافی ہے۔

ہم شیخ ابن منیع اور ان کے ہم نواؤں سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ایک معاصر (سید علوی) کے ساتھ وہی رویہ روا رکھیں گے جسے شیخ ابن تیمیہ کے معتقدین پسند کرتے تھے، کل جہاں شیخ ابن تیمیہ کھڑے تھے، وہاں آج شیخ علوی کھڑے ہیں۔ اُن کے پاس اگرچہ مادی دولت نہیں ہے، لیکن علمی خزانوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور جہاں کل شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین کھڑے تھے وہاں آج شیخ علوی کے مخالفین کھڑے ہیں (اگر آپ کے نزدیک کل مخالفین کا رویہ ابن تیمیہ کے ساتھ ناجائز تھا، تو آج آپ لوگوں کا رویہ شیخ علوی کے ساتھ کیونکر جائز ہو گیا؟)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا ؎

لَا تَنْہَ عَنْ خُلُقٍ وَّ تَأْتِیَ مِثْلَہٗ
عَارٌ عَلَیْکَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِیْمٌ

تو ایسی عادت سے دوسرے کو منع نہ کر، جس کا تو خود عادی ہے۔ اگر تو ایسا کرتا ہے، تو تیرے لیے بڑی شرم کی بات ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ میزانِ شریعت کی رُو سے، حق شیخ علوی کے ساتھ ہے، کیونکہ وہ سعودی عرب اور اس کے باہر رہنے والے علماء اسلام، عامۃ المسلمین اور سوادِ اعظم یعنی مسلمانوں کی غالب اکثریت، اہل سنّت وجماعت کے مذہب کے ترجمان ہیں۔

ابن منیع کہتے ہیں کہ کثرت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ (ص ۳۸، آیت ۲۴)

مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اُمت دعوت (غیر مسلم) کی کثرت کے بارے میں ہے، جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمتِ اجابت (مسلمانوں) کا تعلق ہے، تو اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کے اذن سے حق پر ہے ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کی بشارت دی ہے اور یہ حقیقت پُرزور انداز میں بیان فرمائی ہے کہ حق علماء اسلام کی اکثریت کے ساتھ ہے۔

امام ترمذی، سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ میری امت کو، یا فرمایا (راوی کو شک ہے) محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت، جماعت کے ساتھ ہے۔" [۱]

---

[۱] امام ترمذی نے یہ حدیث ان الفاظ سے روایت کی ہے اور فرمایا یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب ہے، دیکھیے ترمذی شریف مطبوعہ قاہرہ حدیث ۲۲۵۶ اور ترمذی شریف مع شرح ابن عربی (۱۱/۹) اس حدیث کی پہلی جزء "لا یجمع اللہ اُمتی علیٰ ضلالۃ" کے بارے میں حافظ عراقی نے کہا کہ اسے امام بیہقی نے المدخل میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان الفاظ میں بیان کیا: "لا تجتمع اُمتی علیٰ ضلالۃ" میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہو گی۔ امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

شیخ جزائری کا موقف

شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب "حوار" میں شیخ ابوبکر جزائری کے کتابچہ الانصاف فی ما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف (میلاد کے سلسلے میں غلو آمیز اور غیر منصفانہ گفتگو پر نظرِ انصاف) پر اعتماد کیا ہے۔ شیخ جزائری نے علماء اسلام اور امتِ مسلمہ کے سوادِ اعظم پر عموماً اور سید علوی پر خصوصاً محفلِ میلاد شریف منعقد کرنے اور اسے جائز ماننے کے سبب حملے کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا نام دراصل یہ ہونا چاہیے تھا:

الاعتساف فی ما قیل فی المولد النبوی من الغلو والاجحاف من قبل الجفاة واهل باب الخلاف۔

میلاد شریف کے بارے میں جفاکاروں اور مخالفین کی غلو اور عناد پر مشتمل ظالمانہ گفتگو۔

مجھے نہیں معلوم کہ شیخ جزائری، جزائری ہی رہیں گے یا وہ سعودی عرب کی شہریت حاصل کر کے جہاں جی چاہے دندناتے پھریں گے، کیونکہ انہوں نے اس کتابچے کے بعد ۲۹ شعبان ۱۴۰۳ھ کو آیۂ مبارکہ وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف، ۵۶) کی تفسیر

(بقیہ حاشیہ ص۵۵) الفاظ نقل کیے ہیں: "ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ" بیشک میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔" حدیث نمبر ۳۹۵۰، یہ حدیث حضرت ابوذر، ابو مالک اشجعی، ابن عمر، ابو نضرہ اور قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی گئی ہے اور ان کی سندوں میں کلام ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے مخطوطہ تخریج احادیث منہاج للبیضاوی از علامہ عراقی ——— دوسرا جملہ ید اللہ مع الجماعۃ۔ "اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت کے ساتھ ہے" اسے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ حدیث نمبر ۲۲۵۵۔ امام طبرانی معجم کبیر میں یہ الفاظ لاتے ہیں ـ ید اللہ علی الجماعۃ۔ "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے" بہرحال حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے۔ ۱۲

سید یوسف الرفاعی

میں ایک تبلیغی رسالہ لکھا "کَمَالُ الْاُمَّۃِ فِیْ صَلَاحِ عَقِیْدَ تِھَا۔

اُمّت کا کمال، عقیدے کی درستی میں ہے

اس رسالے میں شیخ ابن منیع کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سیّد علوی مالکی پر حملے کیے ہیں اور خدا جانے ان کا نام کیوں نہیں لیا، تاہم اشارۃً ضرور ذکر کر گئے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہو:

"الذخائر المحمدیہ کا مؤلف (سیّد محمد مالکی ۱۲ قادری) جس نے جھوٹے اور فاسد عقائد پھیلائے اور ایسی بدعتوں کو رواج دیا، جن سے فسق اور کفر لازم آتا ہے۔"

شیخ جزائری نے اپنے اس رسالہ کے مقدمہ میں لکھا کہ میرا مقصد خیر خواہی اور نصیحت ہے، لیکن وہ رسالہ کے آخر میں چیتے اور شیر کی کھال پہنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنے فکری مخالفین پر شدید ترین عبارات میں جارحانہ حملے کرنے کے بعد حکومتِ سعودیہ کے ذمہ دار اربابِ بست وکشاد کی طرف رُوئے سخن پھیرتے ہوئے اُن پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ دعوتِ توحید میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ صفحہ ۲۵ پر اس کمزوری کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

"ان کے حالات بدل گئے ہیں اور یہ اپنی حکومت کی ذمہ داریوں میں کھو گئے ہیں۔"

یہ رسالہ تین مرتبہ شائع کر کے مسجدِ نبوی شریف کے اندر اور باہر تقسیم کیا جا چکا ہے

شیخ! خدا سے ڈرو، زندگی کے چند دن باقی رہ گئے ہیں۔

شیخ تویجری کا موقف

میں، شیخ ابن منیع پر اس ردّ کو مکمل کر رہا تھا کہ شیخ حمود بن عبداللہ بن حمود تویجری کی تصنیف نظر سے گزری، میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتا اور نہ ہی کسی سے ان کا ذکر سُنا ہے۔ غالباً وہ سعودی عرب میں طالب علم ہیں یا اُستاد، نہ تو انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنا تعارف کرایا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے نے ان کا تعارف لکھا ہے۔ ان کی تصنیف کا نام ہے:

اَلرَّدُّ الْقَوِیُّ عَلَی الرِّفَاعِیِّ وَابْنِ عَلَوِیِّ وَبَیَانِ اَخْطَائِھِمْ فِی الْمَوْلِدِ النَّبَوِیِّ

رفاعی اور ابنِ علوی پر مضبوط رد اور مسئلہ میلاد میں ان کی غلطیوں کی نشان دہی۔

کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں علمِ حدیث کے ساتھ کسی قدر تعلق ہے اور شیخ ابنِ منیع کی نسبت، خوفِ خدا اور احتیاط زیادہ رکھتے ہیں، چنانچہ انہوں نے سید علوی اور اس ضعیف (شیخ رفاعی) کے بارے میں شرک، کفر اور گمراہی کے القاب استعمال نہیں کیے، جیسا کہ ابن منیع اور اُن کے ساتھیوں نے اپنی کتاب حوار میں کیا ہے۔ انہوں نے تو سید علوی پر سخت طعن و تشنیع سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ انہیں کھلے ہوئے کفر کا مرتکب قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۵ پر انہیں ملتِ اسلامیہ سے خارج اور اُن کا قتل جائز قرار دیا ہے۔ اللہ کی پناہ! کہ ہم ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہوں جو جھگڑتے وقت بدزبانی پر اتر آئیں۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق اور عافیت کا متلاشی رکھے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے، جن کے بارے میں ارشاد ہے:

وَهُدُوا اِلَی الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (الحج ۲۲، آیۃ ۲۴)

اور انہیں پاکیزہ قول اور ربِ حمید کے راستے کی ہدایت دی گئی۔

شیخ تویجری کی کتاب پر مجھے چند گزارشات پیش کرنا ہیں:

۱- میں نے کویت کے رسالہ "السیاسۃ" کے ۱۲ اور ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کے دو شماروں میں جو دلائل دیئے تھے، ان پر رد کرتے ہوئے شیخ تویجری نے دو حدیثیں پیش کی ہیں:

(۱) مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

(۲) کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(۱) جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرتا ہے جس کی اصل اس

دین میں نہیں ہے، وہ مردود ہے۔

(۲) ہر بدعت گمراہی ہے۔

مجھے ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں اختلاف نہیں ہے، مجھے تو اُن سے ان حدیثوں کے مطلب اور مفہوم اور بدعت و سنّت کے معنی میں اختلاف ہے۔ شیخ تُویجری کو اس سلسلے میں میری اس کتاب کی بحث سُنّت و بدعت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۲۔ شیخ تُویجری کی تمام تر گفتگو محفلِ میلادِ شریف کے ردّ اور اسے ناجائز ثابت کرنے میں ہے۔ انہوں نے میلادِ شریف کے جواز پر میرے اور سید علوی کے پیشکردہ دلائل پر رد کیا ہے۔ اس جگہ ان کے جواب دینے سے طوالت پیدا ہوگی اور قارئین کرام کے ملال کا بھی پاس ہے، اس لیے میں میلادِ شریف کے جواز پر الگ ایک رسالہ عنقریب شائع کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ! اس وقت میں اس کتاب کے آخر میں شام کے علماء اہلِ سنّت و جماعت میں سے ایک جلیل القدر عالمِ دین شیخ محمد سعید بن مُلّا رمضان البوطی کا مختصر مقالہ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جو حق کے طلبگاروں اور عناد سے دست بردار ہونے والوں کے لیے میلادِ شریف کے جواز کے موضوع پر مفید رہے گا۔

۳۔ شیخ تُویجری نے بار بار اس امر کا اعادہ کیا ہے کہ میرے اکثر دلائل سید محمد علوی مالکی کی کتابوں، مثلاً "حول الاحتفال بالمولد النبوی" اور "الذخائر المحمدیۃ" سے ماخوذ ہیں۔ ان دلائل کا جواب اتنے کمزور طریقے سے دیا ہے کہ پڑھنے والا ملال محسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ یوں اس کوشش کو قاری کا وقت ضائع کرنے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ تویجری اپنی اس ضخیم کتاب "الرد القوی" میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کر سکے جس کے لکھنے میں انہوں نے بہت مشقت اٹھائی

ہے، ہاں ایک کام کیا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے ان احادیث کی تخریج کر دی ہے، جو میں نے یا سید علوی مالکی نے یا خود انہوں نے پیش کی ہیں۔ اس کوشش پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علم حدیث کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہیں اور اس وصف میں اپنے ساتھیوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

جہاں تک ان کے اس الزام کا تعلق ہے کہ میں نے سید علوی مالکی کی کتابوں پر اعتماد کیا ہے اور میلاد شریف کے جائز ہونے پر ان کے دلائل سے مدد لی ہے اور اسے وہ سرقہ (چوری) قرار دیتے ہیں، تو میں اس شرف کا انکار نہیں کرتا۔ شیخ تویجری نے یہ کوئی نیا انکشاف نہیں کیا اور نہ ہی کوئی طلسم ہوشربا طشت از بام کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگر وہ میری تحریر پر غور کرتے جسے انہوں نے حرف بحرف نقل کیا ہے، تو انہیں غلط فہمی نہ رہتی۔

اس جگہ چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں:

۱۔ شیخ تویجری نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۶ پر میری عبارت نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عاشورا (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرتے تھے، جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی، اس روزے پہ قیاس کرتے ہوئے محفل میلاد منانا شرعاً جائز ہے۔ اس کے بعد میں نے بتایا کہ اس سلسلے میں حضرت ملا علی قاری کے رسالہ "المورد الروی فی المولد النبوی" کا مقدمہ میرا ماخذ ہے۔ یہ مقدمہ سید علوی مالکی کا لکھا ہوا ہے۔ چونکہ شیخ تویجری نے یہ مقدمہ نہیں پڑھا اس لیے انہیں معلوم نہیں کہ یہ کس کا لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے بے سوچے سمجھے مجھ پر یہ الزام لگایا کہ میں نے سید علوی کا حوالہ دیئے بغیر ان کے دلائل کا سرقہ کیا ہے در اصل یہ جلد بازی، بدگمانی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کو پیش نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا ۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○ (الحجرات ۴۹- آیت ۶)

"تم تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ جہالت میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔

۲- شیخ عبدالعزیز بن باز نے جب محفلِ میلاد منعقد کرنے کے خلاف فتویٰ دیا اور اسے شرک و بدعت قرار دیا، تو میں نے "الرد علی الشیخ عبدالعزیز بن باز" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس میں مطالبہ کیا تھا کہ سید محمد علوی مالکی پر ان کے مخالف علماء کی طرف سے جو نظریات کی اشاعت پر جبری پابندی عائد کی گئی ہے، اسے اٹھایا جائے۔ اس مقالہ میں صراحۃً سید علوی کا نام ذکر کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ فوری طور پر سید علوی کو اس کی اطلاع مل چکی ہوگی کیونکہ اس مقالہ میں ان کا نام صراحۃً لیا گیا تھا۔

۳- سید مالکی کا تنگ ماحول اس بات کا متقاضی تھا کہ سعودی عرب سے باہر کے علماء ان کے دلائل شرعیہ کو بیان کرتے اور ان کا دفاع کرتے، کیونکہ یہ دلائل صرف سید علوی مالکی کے نہیں، بلکہ ان کے ہم مسلک تمام اہل سنت و جماعت کے ہیں جو عالمِ اسلام میں اُمتِ مسلمہ کا سوادِ اعظم ہیں۔ اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے، حق کے بیان اور ایک مظلوم (سید مالکی) کی امداد کے لیے یہی کیا۔

کیا سید علوی مالکی کے خلاف ابن منیع کی شہادت مقبول ہے؟

سید محمد علوی مالکی کے رد میں لکھی گئی شیخ ابن منیع کی کتاب سے عیاں ہے کہ وہ سید صاحب کے عقیدہ اور ان کی آراء و افکار سے بیزار ہیں۔ ان سے اعتقادی مخالفت رکھتے

ہیں۔ سیدہ مالکی کی تازہ تصنیف "قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْ" (تم کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے) اور خصوصاً انہوں نے ایمان و عقیدہ کے باب میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے ہر قاری کو اُن کے عقیدے کی سلامتی اور صفائی اور اُن کے سچے موحد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس پر کھُل جائے گا کہ ان کے مخالفین جھوٹے اور افترا پرواز ہیں، جس کی بناء پر ان معاندین کو قیامت کے دن سخت ترین حساب سے گزرنا پڑے گا۔

اختلافِ عقائد کے اہم مسئلہ کی مناسبت سے میں چاہتا ہوں کہ اس جگہ امام علامہ محقق تقی الدین بن دقیق العید، متوفی ۷۰۲ھ کا نفیس کلام نقل کر دوں، جن کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

"امام، فقیہ، مجتہد، محدث، حافظ، علامہ، شیخ الاسلام۔"

(تذکرۃ الحفاظ، ج ۴، ص ۱۴۸۱)

علامہ ابن دقیق العید کی تصنیف "الاقتراح فی بیان الاصطلاح"، قحطان الدوری کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں مطبعۃ الارشاد، بغداد سے چھپ چکی ہے۔ علامہ اس کتاب کے آٹھویں باب، "باب معرفۃ الضعفاء" میں فرماتے ہیں:

"اس سلسلے میں کئی طرح سے آفت آتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نفسانی خواہش، دنیاوی غرض اور شدتِ غضب کی بناء پر کلام کیا جائے۔

علامہ حافظ ابو عمر بن عبد البر، صاحبِ الاستیعاب نے بہت سے متقدمین وغیرہم سے ایسے متعدد امور بیان کیے ہیں، جن کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ لائقِ توجہ نہیں ہیں اور بعض کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ اقوال شدتِ غضب کی بناء پر صادر ہوتے ہیں۔

اُن کی رائے یہ ہے کہ مشہور اہلِ علم کے بارے میں جرحِ مجمل مقبول نہ ہو گی، جب تک وضاحت کے ساتھ وجہِ جرح بیان نہ کی جائے (ملخصاً)

دوسری وجہ، اختلافِ عقائد جس کی بنا پر لوگوں نے ایک دوسرے کو کافر اور بدعتی تک قرار دیا، اور ایک ایسا تعصب پیدا ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور دین قرار دے دیا گیا۔ یہ تعصب، تکفیر اور بدعتی قرار دینے کا باعث بنا۔ متقدمین کے متوسط طبقہ میں یہ وبا عام تھی۔"

امام ابن دقیق العید اس نفیس کلام کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یہ طے ہے کہ روایت میں اختلافِ مذاہب کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔"

شیخ قحطان الدوری، جنہوں نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی العز کی شرح عقیدۂ طحاویہ میں امام ابن دقیق العید کی یہ تصریح موجود ہے:

"ہم گناہ کی بنا پر اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، جب تک وہ اُسے حلال نہ جانے۔" [۱] (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۳۵۵)

اس نفیس کلام سے اس سوال کا جواب آجاتا ہے کہ عقائد کی مخالفت کی بنا پر سید مالکی کے خلاف ابن منیع کی شہادت مقبول ہے یا نہیں؟ کیونکہ ابن منیع نے سلف صالحین

---

[۱] حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانی نے شرح مواقف میں فرمایا، اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنا شیخ اشعری اور فقہاء کے کلام کے موافق ہے جیسے کہ اس سے پہلے گزر چکا، لیکن جب ہم فرقِ اسلامیہ کے عقائد کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، تو ہم ان میں سے بعض کو قطعاً موجبِ کفر پاتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی الٰہ کا موجود ہونا یا اللہ تعالیٰ کا کسی انسان میں حلول کرنا یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا یا حضور کی مذمت کرنا یا تخفیفِ شان کرنا یا محرمات کا مباح قرار دینا یا واجباتِ شرعیہ کا ساقط قرار دینا (اس کے بعد محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ) تحقیق یہ ہے کہ اس قاعدہ (اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی)، میں اہلِ قبلہ سے وہ لوگ مراد نہیں، جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے ۱۲ فتاویٰ عزیزی فارسی (مجتبائی دہلی) ج ۱، ص ۴۱
شرف قادری

میں سے ایک جلیل القدر امام ابن دقیق العید کی رائے کی مخالفت کی ہے جن کے نزدیک کسی مسلمان اور اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے، خصوصاً جبکہ واضح اور صریح دلیل و برہان بھی موجود نہ ہو۔

نسب میں طعن و تشکیک گناہ کبیرہ ہے

علماء تو کیا طلباء اور عامۃ المسلمین نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان جانتے ہیں:

اَلنَّاسُ مُؤتَمَنُوْنَ عَلٰی اَنْسَابِهِمْ

لوگ اپنے نسبوں پر امین قرار دیئے گئے ہیں

اَلطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ مِنَ الْکَبَائِرِ

نسبوں میں طعن کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس کے باوجود شیخ ابن منیع اور ان کی کتاب کی تائید و تصدیق کرنے والے مشائخ اور سعودی عرب کے محکمہ ریاستِ عامہ کے لیے نسبوں پر طعن و تشنیع کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ یاد رہے کہ یہ کتاب "حوار" مسلمانوں کے بیت المال کے خرچ پر اب تک ریاست عامہ کی طرف سے تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۴۲ پر سید مالکی کے بارے میں کہا گیا ہے:

"ہمیں یہ معلوم کر کے انتہائی خوشی ہوئی کہ محمد علوی مالکی نے اعلیٰ سند حاصل کی ہے۔ ہم نے برملا اس امید کا اظہار کیا کہ یہ سند ان کے لیے دینی دعوت کے راستے میں مشعلِ راہ کا کام دے گی جس کو اُن کے جدِ امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اُن کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"مالکی کا کہنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے۔ ہماری بڑی آرزو ہے کہ وہ اپنے جدِ امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے پر چلیں۔"

(حوار مع المالکی، ص ۱۹۱)

ان الفاظ میں ان کے دعوائے نسب کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔ ابن منیع سے کم علم اور علم شریف سے تھوڑی سی نسبت رکھنے والے کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ اس طریقے سے پرہیز کرتا۔

یا اللہ! ہمیں مکمل پرہیزگاری کا لباس پہنا اور ہمیں اپنی قدرت سے دردناک عذاب سے بچا، بیشک گالی دینا، فحش گوئی اور بدزبانی مومن کا کام نہیں ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُن اہل بیت کرام کے محبتین میں سے بنا، جن کے بارے میں تیرا فرمان ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ ۴۲، ۲۳)

تم فرمادو کہ میں تم سے تبلیغ دین پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، ہاں میرے اہلِ قرابت سے محبت رکھو۔

اور ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھ سے اور میری محبت کی بنا پر میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔"

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا۔

اللہ تعالیٰ اس شعر کے قائل پر رحم فرمائے ؎

كَانَتْ مَوَدَّةُ سَلْمَانَ لَهُمْ رَحِمْ
وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ نُوحٍ وَّابْنِهٖ رَحِمْ

"اہلِ محبت کا سلمان سے وہ رشتہ ہے جو سیدنا نوح علیہ السلام اور اُن کے بیٹے (کنعان) کے درمیان نہیں تھا۔"

دُوسری فصل "الحوار" پر رد

باعثِ تخلیقِ آدم

شیخ ابن منیع کہتے ہیں:

ہم نے مالکی کی تصنیف "الذخائر المحمدیہ" میں پڑھا کہ مخلوق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم وسیع ہے، آپ رُوح کو بھی جانتے ہیں اور ان پانچ چیزوں کو بھی جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرمایا ہے اور زمین و آسمان کی چابیاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس پر رد کیا۔ (حوار مع المالکی، ص ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ قادر و قوی کی قوت و امداد سے میں آئندہ صفحات میں اس موضوع پر روشنی ڈالوں گا، کیونکہ ہر قوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔

بعض علماء نے کتب فضائل میں لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مخلوق آپ کے لیے پیدا کی گئی۔ حافظ الحدیث علامہ جلال الدین سیوطی، حافظ قسطلانی، علامہ زرقانی نے اس خصوصیت کا ذکر کیا۔ امام حاکم، امام بیہقی، علامہ سبکی اور بلقینی نے اس خصوصیت کی احادیث کو صحیح قرار دیا۔

امام حاکم، بیہقی اور امام طبرانی نے معجم صغیر، ابو نعیم اور ابن عساکر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے عرض کیا:

یَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِیْ

یا اللہ! محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا

تم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ انہوں نے عرض کیا:

یا اللہ! جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر

تو نے رُوح پھونکی، تو میں نے سر اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر

لکھا ہوا ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی ہستی کا نام ملایا ہے جو تجھے

تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صَدَقْتَ یَا اٰدَمُ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ۔

اے آدم! تو نے سچ کہا، اگر محمد نہ ہوتے، تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ علامہ ذہبی نے کہا کہ یہ موضوع ہے۔

(مواہب لدنیہ مع شرح ج ۱ ص ۶۲، المستدرک و تلخیصہ ج ۲، ص ۶۱۵)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی کا اس حدیث کو موضوع قرار دینا، سینہ زوری ہے اور یہ ان

سے کچھ بعید نہیں ہے، کیونکہ جرح و تعدیل کے سلسلے میں ان کا متشدد ہونا معروف ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے

اس امر کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ایسی حدیث نہیں لائیں گے جو ان کے علم میں

موضوع ہوگی، جیسا کہ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب اللآلی المصنوعۃ میں تصریح کی ہے۔ امام

بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جن احادیث کا وہ ذکر کریں گے،

کبھی تو ان کے بعد، ان کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کر دوں گا اور کبھی ایسا نہیں کروں گا،

تاہم جس موقع پر وہ حدیث بیان کی گئی ہوگی، اس جگہ وہ مقبول ہوگی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی حدیث

کو ضعیف سند کے ساتھ ذکر کر دوں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دوں گا،

اس صورت میں میرا اعتماد دوسری روایت پر ہوگا۔

علامہ ذہبی، دلائل النبوۃ کے بارے میں فرماتے ہیں،

"اس کتاب کو لازم پکڑ، کیونکہ یہ تمام تر ہدایت اور نور ہے"

(شرح المواہب ج ۱، ص ۶۲)

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کتاب دلائل النبوۃ کے بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَحَدُّثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنِعْمَۃِ رَبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ لِقَوْلِہٖ وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ [1] (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے رب کی نعمت کو بیان کرنا) میں بیان کی ہے:

اس حدیث کے بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اس کی روایت میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم منفرد ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس کی تائید کی ہے۔ انہوں نے البدایۃ والنہایۃ ج ۱، ص ۱۸۰ میں یہ حدیث نقل کی ہے اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔

امام حاکم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اُمت کو حکم دو کہ جو انہیں پائے، اُن پر ایمان لائے۔

فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ اٰدَمَ وَلَا الْجَنَّۃَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَی الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَکَتَبْتُ عَلَیْہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَسَکَنَ۔

---

[1] امام بیہقی کے الفاظ یہ ہیں، ویعلم ان کل حدیث اوردتہ فیہ قد اردفتہ بما یشیر الی صحتہ او ترکتہ مبھما وھو مقبول فی مثل ما اخرجتہ وما عسٰی اوردتہ باسناد فیہ ضعف اشرت الی ضعفہ وجعلت الاعتماد علی غیرہ۔

(دلائل النبوۃ، دار النصر للطباعۃ القاہرہ ج ۱، ص ۳۹)

(اگر محمدؐ نہ ہوتے، تو میں آدم اور جنت و نار کو پیدا نہ فرماتا۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا تو وہ مضطرب ہو گیا۔ میں نے اس پر کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھ دیا، تو وہ پُرسکون ہو گیا۔

امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے امام بخاری و امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲، ص ۶۱۵)

علامہ ذہبی کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ حدیث وضعی طور پر سعید کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمد بن یوسف شامی نے اپنی معروف کتاب السیرۃ الشامیۃ میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کو ابو الشیخ نے کتاب الاصفہانیین میں روایت کیا، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ شیخ الاسلام بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ سبکی نے اس کی تصحیح کو برقرار رکھا۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے جو معلوم نہیں، کون ہے؟

امام دیلمی اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبریل امین آئے اور انہوں نے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ

(السیرۃ الشامیۃ ج ۱، ص ۱۶۲)

(اگر تمہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا، تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ فرماتا)

اس حدیث کو امام سبکی نے بھی ذکر کیا اور اسے صحیح قرار دیا (شفاء السقام ص ۱۶۲) اس حدیث کو شیخ ابن تیمیہ نے فتاویٰ کبریٰ ج ۲، ص ۱۵۱ میں بھی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں شیخ ابو الفرج کی سند سے ذکر کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی، تو انہوں نے سر اٹھا کر عرض کیا اے بارالٰہا! محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی

نازل فرمائی کہ محمد کون ہیں؟ اور تم ان کا مقام و مرتبہ کیسے جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:
یا اللہ! جب تو نے میری تخلیق کی تکمیل فرمائی، تو میں نے سر اٹھا کر تیرے عرش کی طرف دیکھا تو
کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر لکھا ہوا ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے، وہ
تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزت والی ہستی ہے۔ ارشاد ہوا ہاں ایسا ہی ہے، میں نے
تمہیں بخش دیا۔

وَهُوَ آخِرُ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ۔

(وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا)
ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث، گزشتہ حدیث کی تائید کرتی ہے اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ
کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میں (رفاعی)، کہتا ہوں کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ابن تیمیہ کے نزدیک استشہاد اور
اعتبار کے لائق ہے، کیونکہ موضوع یا باطل روایت محدثین کے نزدیک قابلِ استشہاد نہیں ہوتی۔
آپ دیکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو احادیثِ صحیحہ کی تفسیر کی حیثیت سے قبول کیا ہے
اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث کو علماء کرام کی لائقِ احترام جماعت نے صحیح قرار دیا ہے۔
مثلاً امام حاکم، علامہ سبکی، علامہ بلقینی، امام بیہقی، آخر الذکر امام نے یہ حدیث اپنی اس
کتاب میں روایت کی ہے جس میں اُن کی شرط یہ ہے کہ موضوع روایت نہیں لائیں گے۔ اسی
طرح ابنِ کثیر، قسطلانی اور زرقانی نے بھی اسے روایت کیا اور قبول کیا۔ علامہ ذہبی کا اس حدیث
کو رد کرنا یا موضوع قرار دینا کچھ مؤثر نہیں ہے۔ ذہبی کی رائے امام حاکم اور بیہقی کی رائے سے
زیادہ اہم نہیں ہے جو شخص فسادِ معنیٰ کے سبب اس حدیث کو قبول نہیں کرتا، تو اُس کی معنیٰ
حدیث کے بارے میں اپنی رائے ہے اور حدیث کا معنیٰ سمجھنے میں ہماری اپنی رائے ہے اور جو علامہ

ذہبی کی پیروی میں اس حدیث کو قبول نہیں کرتا وہ نہ کرے۔ ہم تو امام حاکم اور بیہقی کی پیروی میں قبول کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام حاکم حدیث کے صحیح قرار دینے میں سہولت پسند واقع ہوتے ہیں، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ ذہبی کسی حدیث کو موضوع قرار دینے میں حد سے بڑھے ہوتے ہیں۔ متعدد علماء نے کئی حدیثوں کو موضوع قرار دیا، مگر ان کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ مثلاً علامہ ابن جوزی اپنی تصنیف الموضوعات الکبرٰی میں ضعیف، حسن، بلکہ سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور امام حاکم کی مستدرک وغیرہ کتب معتمدہ میں مذکور صحیح حدیثوں، یہاں تک کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث کو بھی ذکر کر گئے ہیں، اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے

وَمِنْ عَجِیْبِ مَا یُرٰی لِلْمُسْلِمِ
فِیْہِ حَدِیْثٌ مِنْ صَحِیْحِ مُسْلِمِ

(ابن جوزی کی کتاب میں ایک مسلمان کو یہ عجیب چیز دکھائی دے گی کہ اس میں صحیح مسلم کی ایک حدیث بھی مذکور ہے۔)

یہ حدیث ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر دلالت کرتی ہے اور یہ حدیث نہ تو اصولِ توحید میں سے کسی اصل کے منافی ہے اور نہ ہی ربوبیت کے کسی حق یا الوہیت کی کسی صفت کی نفی کرتی ہے، بلکہ معتبر حقائق و واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۷)

(ہم نے تمہیں نہیں بھیجا، مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت)

ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت ہیں اور رحمت بھی تمام جہانوں کے لیے، اس رحمت کے تحقق کے لیے تمام جہانوں کا وجود ضروری ہے، لہٰذا تمام جہان اس رحمت کے مظہر ہوتے اور یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ تمام جہان اس رحمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جو ان سے

متعلق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ہ (الذاریات ۵۱، آیت ۵۶)

(اور میں نے جن و انسان کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کے پیدا کرنے میں حکمتِ الٰہیہ یہ ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے اور یہ عبادت جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے، دنیا ہی میں ہو گی لہٰذا یہ دنیا اس عبادت کا مظہر اور محل ٹھہری، کہنے دیجیے کہ تمام مخلوق اس لیے پیدا کی گئی کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق، اپنے اطاعت شعار اور عبادت گزار مخلص بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے، تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ اور حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ان پیکرِ اطاعت و عبادت مخلصین کے مُرشد و امام اور سیّد و سرور ہیں، اس لیے یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ تمام مخلوق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

محدّث عبد الرزاق حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ یہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا ؟ فرمایا :

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ۔

(اے جابر ! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا (یعنی نورِ الٰہی، نورِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بلا واسطہ خالق بنا۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور کا نور، اللہ تعالیٰ کے نور کی جُزء ہے ۱۲ قادری)

ابن عساکر، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ آپ کا رب تبارک و تعالیٰ

فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا، تو تمہیں میں نے اپنا حبیب بنایا اور میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو میری بارگاہ میں تم سے زیادہ معزز ہو۔ میں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیے پیدا کیا کہ انہیں اپنی بارگاہ میں تمہاری عزت و کرامت کا عرفان عطا کروں، اگر تمہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا، تو میں دُنیا کو پیدا نہ کرتا۔

خلاصہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت مطلوب نہ ہوتی، تو کائنات پیدا نہ کی جاتی۔ تمام بندگانِ خدا نہ ہوتے، تو کائنات پیدا نہ کی جاتی؟ اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے، تو کائنات پیدا نہ کی جاتی۔ مسئلہ آسان اور درجات مختلف ہیں، مگر ان کے ادراک کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے، چونکہ کائنات، اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلیے پیدا کی گئی ہے اور عبادت میں کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمسر نہیں ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ کائنات آپ کیلیے پیدا کی گئی ہے اور یہ بات آپ ہی کے بارے میں کہی گئی ہے، کسی دوسرے کے بارے میں نہیں کی کہی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔ (البقرہ ۲: آیت ۲۹)

(تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے)

نیز ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۔ (ابراہیم ۱۴، آیت ۳۲)

(تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو مسلسل چل رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا۔)

جب یہ تمام چیزیں حضرت انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ابو البشر آدم علیہ السلام حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ دُنیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی ہے اور یہ خدا داد اعزاز ہے۔

سیدِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ انور، تمام انسانی رُوحوں سے پہلے پیدا کی گئی جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِی الْخَلْقِ وَآخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ۔

مجھے سب انسانوں (انبیاء) سے پہلے پیدا کیا گیا اور آخر میں بھیجا گیا

اس حدیث کو امام ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ مرسلاً روایت کیا۔ ابو نعیم نیز ابو حاتم نے اپنی تفسیر میں، ابن لال اور دیلمی نے بروایت سعید بن بشیر، حضرت قتادہ سے انہوں نے حضرت حسن سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَآخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ۔

میں پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں۔

یہ روایت، ابن سعد کی روایت کی تفسیر ہے، یعنی اُس روایت میں انسانوں سے مُراد انبیاء کرام ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمِ ارواح میں تمام انبیاء کرام سے پہلے اور عالمِ اجسام میں سب سے آخر ہیں۔ عالمِ ارواح میں آپ کو تمام انبیاء سے پہلے نبوّت عطا فرمائی گئی۔ اس طرح عالمِ ارواح میں آپ ہی سے نبوّت کا دروازہ کھولا گیا اور عالمِ اجسام میں آپ ہی پر نبوّت کا دروازہ بند کر دیا گیا، لہٰذا آپ ہی فاتح ہیں اور آپ ہی خاتم ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ترمذی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب عطا کی گئی؟ فرمایا:

وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

جب کہ آدم ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔ امام ابو نعیم، بیہقی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بزّار، طبرانی اور ابو نعیم نے ابن عبّاس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام احمد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ آخر الذکر دونوں حضرات نے اسے صحیح قرار دیا اور علامہ ذہبی نے اس تصحیح کو برقرار رکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ لَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔

بیشک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس وقت بھی خاتم الانبیاء تھا، جب کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کا جسدِ خاکی تیار کیا جا رہا تھا۔

حضرت میسرۃ الفجر سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

میں اُس وقت بھی نبی تھا، جب ابھی آدم رُوح اور جسم کے درمیان تھے

اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری نے تاریخ میں، امام طبرانی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ ہیثمی نے امام احمد اور طبرانی کی سند کے بارے میں کہا کہ اس کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ترمذی، ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں،

اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ بات ازراہِ فخر نہیں۔

خداداد عزت و کرامت کے چند نظائر

اس قسم کی عزت افزائی اس اُمت کے افراد اور دیگر رسولانِ گرامی کے متبعین کے لیے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کے سبب دوسرے کی مغفرت فرماتا ہے۔ کسی کے سبب کسی سے درگزر فرماتا ہے۔ ایک کی سفارش دوسرے کے حق میں قبول فرماتا ہے جیسے احادیثِ عرفہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ، عرفات میں مصروفِ دُعا و وقوف لوگوں کے بارے میں فرشتوں کو فرماتا ہے کہ میں نے ان کی دُعا قبول کی اور اُن کے گنہ گار، اُن کے نیکوں کو بخش دیئے۔ یہ حدیث امام ابو یعلیٰ نے روایت کی۔ امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خطا کار، تمہارے نیکوں کو بخش دیئے اور نیکو کاروں نے جو مانگا، انہیں دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چل دو (عرفات سے مزدلفہ) جب مزدلفہ میں پہنچے، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے صالحین کو بخش دیا اور خطا کاروں کے حق میں تمہارے صالحین کی شفاعت قبول فرمائی۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے عرفات میں ٹھہرنے والے کو بخش دیا اور اُس نے اپنے لیے جو دُعا کی، وہ میں نے قبول کی اور اگر میرا یہ بندہ مجھ سے درخواست کرے، تو میں تمام اہلِ موقف کے حق میں اس کی شفاعت قبول کر لوں گا۔

حافظ منذری نے یہ احادیث اپنی تصنیف الترغیب والترہیب کی کتاب الحج ج ۲، ص ۲۲۳ میں بیان کیں۔ یہ حدیثیں قابلِ استدلال ہیں اور ان کے اجتماع سے حدیث درجۂ صحت کو پہنچ گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندے وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو ان کے طفیل رزق دیتا ہے، ان کی بدولت بندوں کو بارش عطا فرماتا ہے، انہیں تصرت و امداد دیتا ہے اور ان کی برکت سے ان سے بلائیں دُور کرتا ہے اور انہیں بھلائی دیتا ہے

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ شام میں چالیس ابدال ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کے وسیلے سے بارش کی دُعا مانگی جاتی ہے۔ ان کے طفیل دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے اور اہلِ شام سے عذاب دُور کیا جاتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اُمت کے تیس افراد، اللہ تعالیٰ کے خلیل علیہ السلام کے قدم بقدم ہیں۔ جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مقرر فرما دیتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایسے تیس افراد باقی رہیں گے، جن کی بدولت زمین قائم رہے گی۔ اُن کی برکت سے لوگوں کو بارش اور امداد دی جائے گی ——— حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے توقع ہے کہ حسن ان میں سے ہوں گے ——— امام طبرانی نے یہ حدیث بروایتِ عمر اور امام بزار نے ——— بروایت عنبسۃ الخواص بیان کی ہے یہ دونوں راوی (عمر اور عنبسہ) غیر معروف ہیں۔ باقی تمام راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زمین کبھی ایسے چالیس افراد سے خالی نہیں ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے خلیل علیہ السلام کے قدم بقدم ہوں گے۔ ان کے وسیلے سے تمہیں بارش اور فتح عطا فرمائی جائے گی۔ جب بھی ان میں سے کوئی فوت ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص مقرر فرما دے گا ———

سعید کہتے ہیں میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں اس امر میں شک نہیں ہے کہ حسن اُن میں سے ہیں ——— امام طبرانی نے یہ حدیث معجم اوسط

میں سند حسن سے بیان کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۶۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر دن ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے ستائیس مرتبہ دعائے مغفرت کرے، وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا، جن کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور اُن کی بدولت زمین والوں کو رزق دیا جاتا ہے ——— امام طبرانی نے یہ حدیث روایت کی اور اسے حسن قرار دیا، جیسے کہ جامع میں ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی چیونٹی کے سبب ایک پوری امت کی عزت افزائی فرمائی جس کے ساتھ اس اُمت کے نبی بھی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی لوگوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے کے لیے نکلے، تو انہوں نے دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے کھڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: لوٹ جاؤ، اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ یہ حدیث امام دارقطنی نے روایت کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱، ص ۸۷۴)

جب یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیونٹی کے سبب ایک ایسی امت کو بارش عطا کی جس کے ہمراہ اس اُمت کے نبی، صالحین اور اولیاء بھی تھے تو یہ کہنے میں کونسا امر مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مراد، آپ کی ذاتِ اقدس، شریعتِ مبارکہ اور رسالتِ خاتمہ، کاملہ اور شاملہ ہے۔ پس یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام کائنات کو حضرت حبیبِ خدا، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت، آپ پر ایمان لانے، آپ کی نصرت و تائید اور آپ کی رسالت پر اقرار کے لیے پیدا فرمایا، وہ رسالت جس پر تمام رسالتیں ختم فرمادیں۔ اس کے ذریعے دین کو تکمیل عطا فرمائی اور

اخلاقِ کریمہ کو ہم دوشِ ثریا کر دیا۔

قرآن پاک سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و مرسلین سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پائیں، تو اُن پر ایمان لائیں۔ اُن کی نصرت و تائید کریں اور اُن کے متبعین میں شامل ہوں اور اپنی اُمتوں سے بھی یہ عہد لیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○

(آل عمران ۳ - آیۃ ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے، تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے، تو تم ضرور بر ضرور ایمان لانا اور ضرور بر ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (کنز الایمان)

حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ان پر ایمان لانا اور ان کی امداد کرنا اور انہیں حکم دیا کہ اپنی اپنی اُمت سے یہ عہد لیں اگر تمہارے جیتے جی محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئیں تو اُن پر ایمان لانا اور اُن کی امداد کرنا۔

ابن کثیر کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور امامِ اعظم ہیں، آپ جس زمانے میں بھی تشریف لاتے، آپ ہی کی اطاعت واجب ہوتی۔ آپ ہی تمام انبیاء کرام کے

امام ہوتے، اسی لیے بیت المقدس میں آپ ہی امام تھے، جہاں تمام انبیاء کرام تشریف فرما تھے۔ میدانِ محشر میں آپ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حساب و کتاب شروع کرنے کی درخواست کریں گے۔ یہ مقامِ محمود ہے جو آپ ہی کے لائق ہے۔ اس دن تمام انبیاء و مرسلین شفاعتِ کبریٰ سے معذرت کریں گے۔ بالآخر سب لوگ آپ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور آپ ہی شفاعت فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورہ فرمایا

اس عزت و کرامت کی ایک مثال وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امت کے بارے میں مشورہ فرمایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت دیر تک ہمارے پاس تشریف نہ لائے۔ ہمیں گمان ہوا کہ آپ تشریف نہیں لائیں گے۔ پھر آپ تشریف لائے تو طویل سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ وصال فرما گئے ہیں۔ بہت دیر کے بعد سرِ اقدس اُٹھایا تو فرمایا: میرے رب کریم جل مجدہٗ نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ فرمایا کہ میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ میں نے عرض کیا: یا اللہ! جیسے تو چاہے، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ دوبارہ مجھ سے مشورہ طلب فرمایا، تو میں نے پھر وہی جواب دیا۔ ارشاد ہوا اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) ہم تمہیں تمہاری اُمت کے بارے میں بے وقار نہیں فرمائیں گے۔

اور رب مجھے خبر دی کہ میری امت میں سے پہلے پہل ستر ہزار افراد جنت میں جائیں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار افراد بے حساب و کتاب جنت میں جائیں گے۔ پھر مجھے پیغام بھیجا کہ دعا کرو، تمہاری دُعا قبول کی جائے گی، مانگو! دیئے جاؤ گے۔ میں نے آنے والے فرشتے سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ میری درخواست قبول فرمائے گا۔ اُس نے کہا مجھے آپ کے پاس اسی لیے بھیجا ہے کہ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ کچھ دیا جو میں نے مانگا اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا (بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں) میری بدولت

میرے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ میں صحیح سالم اور زندہ چل پھر رہا ہوں، مجھے یہ انعام دیا کہ میری اُمّت بھوک میں مبتلا اور فنا نہ ہوگی۔ مجھے جنّت کی نہر کوثر عطا فرمائی جو میرے حوض میں بہے گی۔ مجھے عزت و نصرت عطا فرمائی اور مجھے رعب عطا فرمایا جو میری اُمّت کے آگے ایک ماہ کی مسافت تک ساتھ ساتھ چلے گا۔ مجھے یہ انعام دیا کہ میں تمام انبیاء کرام سے پہلے جنّت میں جاؤں گا، میرے لیے اور میری اُمّت کے لیے مالِ غنیمت حلال کیا۔ بہت سی ایسی چیزیں ہمارے لیے حلال کیں جن کے بارے میں پہلوں پر سختی کی گئی تھی اور ہم پر کوئی حرج عائد نہیں کیا۔ یہ حدیث امام احمد نے روایت کی۔ علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۶۸)

خلاصہ

تفصیل سابق سے ثابت ہوگیا کہ یہ خصوصیت رکہ کائنات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیدا کی گئی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس اُمّت کے لائقِ احترام ائمہ اور حفاظ مثلاً حاکم، بیہقی، سبکی، سیوطی، ابن جوزی، زرقانی اور قسطلانی نے ثابت کی ہے اور اس پر انہوں نے دلیل و براہین پیش کیے ہیں۔ ہوائے نفس یا تعصّب کی بناء پر کلام نہیں کیا۔ البتہ اس اصل اور دلیل کی صحت یا عدمِ صحت کی بحث کی جا سکتی ہے، منکر کہے گا کہ یہ اصل صحیح نہیں ہے۔ بحث و مباحثہ کے اصول سے باخبر یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اس اصل سے استدلال کرنے والا خطا پر ہے لیکن اس کے لیے یہ کہنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے کہ مستدل مشرک ہے یا گمراہ۔

سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (النور ۲۴، ۱۶)

العظمۃ للہ! یہ بہت بڑا بہتان ہے

اس مسئلہ کا شرک و کفر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بحث کا دائرہ صرف اس حد تک محدود ہے کہ ایک جانب صحت ہے، دوسری جانب بطلان، ایک جانب خطا ہے اور دوسری جانب صواب۔

تیسری فصل

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — اور علمِ غیب

مُقدّمہ غیب کا علم دو قسم پر ہے :

۱- علمِ ذاتی، مطلق، تفصیلی، اللہ تعالیٰ کے تمام معلومات کو استغراقِ حقیقی کے ساتھ محیط، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ جو شخص اس علم کا معمولی سے معمولی حصہ، کائنات میں سے کسی کے لیے ثابت کرے، وہ کافر و مشرک اور تباہ و برباد ہوا۔

۲- علمِ عطائی جو اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول بندوں مثلاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بارگاہِ الٰہی سے حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

۱- عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ۷۲، آیۃ ۲۶)

وہ عالم الغیب ہے اپنے غیبِ خاص کا علم یقینی کسی کو عطا نہیں فرماتا، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔

۲- وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الذاریات ۵۱، آیۃ ۲۸)

اور اسے (ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے) ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی

۳- وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (یوسف ۱۲، آیۃ ۶۸)

اور بیشک وہ (یعقوب علیہ السلام) صاحبِ علم ہے ہمارے سکھائے سے

۴- وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکهف ۱۸، آیة ۶۵)

اور ہم نے انہیں (حضرت خضر علیہ السلام کو) اپنا علمِ لدنی عطا کیا۔

۵- وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء ۴، آیة ۱۱۳)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں۔

علمِ غیب کو ثابت کرنے اور نفی کرنے والی آیتوں میں جلیل القدر علماء نے اسی طرح تطبیق دی ہے۔ امام ابوزکریا نووی نے اپنے فتاوٰی میں اور امام ابن حجر مکی نے فتاوٰی حدیثیہ میں فرمایا:

لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اسْتِقْلَالًا وَعِلْمَ اِحَاطَةٍ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ اِلَّا اللّٰهُ۔

صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے جو مستقل ہے اور تمام معلومات کو محیط ہے۔

اس بات کا شبہ بھی ذہن میں نہیں گزرنا چاہیے کہ تمام مخلوقات کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہو سکتا ہے۔ خالق اور مخلوق کے علم میں کئی طرح کا فرق ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی (بغیر کسی واسطہ کے) ہے اور مخلوق کا علم عطائی ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے علم کا ثبوت واجب اور مخلوق کے لیے علم کا ثبوت ممکن ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ کا علم ازلی و ابدی اور قدیم حقیقی ہے اور مخلوق (جس میں انبیاء کرام بھی شامل ہیں) کا علم حادث ہے، کیونکہ تمام مخلوق حادث ہے اور صفت، موصوف سے مقدم نہیں ہو سکتی۔

۴- اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق نہیں، مخلوقات کا علم مخلوق ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ کا علم کسی قدرت کے ماتحت نہیں، مخلوق کا علم قدرتِ الٰہیہ کے ماتحت اور اس کا پابند ہے۔

۶- اللہ تعالیٰ کا علم واجب البقاء اور مخلوق کا علم جائز الفناء ہے۔

۷- اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیّر نہیں ہو سکتا، جبکہ مخلوق کے علم میں تغیّر و تبدّل ہو سکتا ہے[1]

---

[1] احمد رضا خاں، علامہ شیخ: الدولة المکیة

قرآنِ کریم کی آیات سے استدلال کا صحیح طریقہ

نجات کی بنیاد اور اصل، تمام کے تمام قرآن پاک پر ایمان لانا ہے۔ اکثر گمراہ، اسی لیے بھٹک گئے ہیں کہ انہوں نے قرآن پاک کی کچھ آیات کو مانا اور کچھ کا انکار کیا، مثلاً قدریہ اس آیت پر ایمان لائے۔

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (البقرہ ۲، آیۃ ۵۷)

ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

لیکن وہ اس آیت کا انکار کر گئے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصافات ۳۷، آیۃ ۹۶)

اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا

جبریہ اس آیت پر تو ایمان لائے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانسان ۷۶، آیۃ ۳۰)

اور تم نہیں چاہتے، جب تک اللہ نہ چاہے

مگر اس آیت کا انکار کر گئے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (الانعام ۶، آیۃ ۱۴۶)

یہ ہم نے انہیں ان کی بغاوت کی جزا دی اور بیشک ہم سچے ہیں

خوارج اس آیہ کریمہ پر تو ایمان لاتے۔

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

(الانفطار ۸۲، آیت ۱۴)

اور بے شک بدکردار جہنم میں ہوں گے، وہ قیامت کے دن اس میں داخل ہوں گے

مگر اس آیت کے منکر ہوگئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء ۴، آیۃ ۴۸)

اللہ اس جرم کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ جسے چاہے گا، بخش دے گا

مُرجِئہ (جن کے نزدیک نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر تو ایمان لائے۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر ۳۹، آیۃ ۵۳)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ تمام گناہ بخش دے گا۔ بیشک وہ بہت بخشنے والا، مہربان ہے

لیکن اس آیت کے منکر ہوئے۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء ۴، آیۃ ۱۲۳)

جو بُرا کام کرے گا، اُسے اس کی جزا دی جائے گی

اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں (خلاصہ یہ کہ قرآن پاک کی تمام آیات پیشِ نظر رہنی چاہئیں علمِ غیب کی نفی کرنے والی آیات کے ساتھ وہ آیتیں بھی سامنے رکھے جن میں اللہ تعالیٰ کا اپنے مقبول بندوں کو علمِ غیب عطا فرمانا مذکور ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرمایا گیا

قرآنِ کریم سے دلائل

قرآن کریم میں جہاں یہ تصریح ہے۔

لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

(النمل ۲۷، آیۃ ۶۵)

اللہ کے سوا زمین و آسمان کا کوئی بھی باشندہ غیب نہیں جانتا

وہاں یہ بھی منصوص ہے:

۱۔ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

(الجن ۷۲، آیۃ ۲۶)

وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو

۲۔ وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ (آل عمران ۳، آیۃ ۱۷۹)

اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے

۳۔ وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ (التکویر ۸۱، آیۃ ۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں

۴۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۔ (النساء ۴، آیۃ ۱۱۳)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے

۵۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ (یوسف ۱۲، آیۃ ۱۰۲)

یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں خفیہ طور پر بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے، جب انہوں نے اپنا کام پکا کیا اور فریب کا جال بچھا رہے تھے

۶- ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (آل عمران ۳، آیۃ ۴۴)

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں خفیہ طور پر بتاتے ہیں اور تم اُن کے پاس نہ تھے۔ جب وہ اپنے قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہے اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے

۷- تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ (ھود ۱۱، آیۃ ۴۹)

یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں

دیکھیے رب کریم نے ایک آیت میں فیصلہ کن انداز میں (مخلوق سے علم غیب کی) نفی کی ہے اور فرمایا:

لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (النمل ۲۷، ۶۵)

اور دوسری آیت میں رسولانِ گرامی کے لیے علمِ غیب ثابت کیا ہے جس میں کسی شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ۷۲، ۲۷)

یہ تمام آیات برحق ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے جو ان میں سے کسی آیت کا بھی انکار کرے، وہ قرآن پاک کا منکر ہے، لہذا جو سرے سے نفی کرتا ہے اور کسی طرح بھی علمِ غیب ثابت نہیں کرتا، وہ آیاتِ اثبات کا منکر ہے اور جو مطلقاً ثابت کرتا ہے اور کسی طرح بھی نفی نہیں کرتا۔ وہ آیاتِ نفی کا منکر ہے اور مومن وہ ہے جو تمام آیات کو مانتا ہے اور ایسا رویہ اختیار نہیں کرتا کہ بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

خَمْسٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ۔

پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

(النمل ۲۷، آیۃ ۶۵)

تم فرمادو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، زمین و آسمان کا کوئی رہنے والا غیب نہیں جانتا

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کی تخصیص فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے تعمیم فرمائی ہے۔ ہمارا دونوں پر ایمان ہے اور تخصیص، تعمیم کے منافی نہیں ہے۔ پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور دوسرے غیب جو ان سے بھی اعلیٰ، اشرف اور ادق ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بلکہ کسی شے کو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (یعنی از خود کسی بھی غیب اور شہادت کا جاننا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے) بلکہ حقیقی وجود بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے (باقی سب اس کے دیئے ہوئے وجود سے موجود ہیں) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لبید کے اس قول کو صادق ترین قول قرار دیا،

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل (فی حد ذاتہ معدوم) ہے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، تمام معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہے، کیونکہ مخلوقات کے لیے یہ ناممکن ہے۔

احادیث سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام ۶، آیۃ ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

ہمارے لیے امام بخاری کی روایت کردہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کافی ہے، وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتدائے آفرینش سے لے کر اہلِ جنت و نار کے اپنی اپنی منزلوں میں پہنچنے تک کی خبر دی۔

امام مسلم حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر سے غروبِ آفتاب تک خطبہ ارشاد فرمایا:

فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ ، فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

تو ہمیں ماکان و مایکون (جو کچھ ہو چکا اور ہونے والا ہے) کی خبر دی، ہم میں سے جس نے زیادہ یاد رکھا' وہ زیادہ عالم ہے

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور

قیامت تک ہونے والی کسی ایسی چیز کو نہیں چھوڑا جسے آپ نے بیان نہ کیا ہو۔

امام ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔

فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ

میرے لیے ہر چیز منکشف ہو گئی اور میں نے پہچان لی

امام بخاری، ترمذی، ابن خزیمہ اور اُن کے بعد کے ائمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

امام ترمذی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا، فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

پس میں نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جان لیا

ایک دوسری روایت میں ہے:

"میں نے مشرق و مغرب کی تمام چیزوں کو جان لیا"

مسند امام احمد، طبقات ابن سعد اور امام طبرانی کی معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابویعلیٰ، ابن منیع اور امام طبرانی، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ

"ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں پرواز کرنے والے ہر پرندے کے بارے میں ہمیں علم عطا فرما دیا تھا۔"

صحیحین میں نماز کسوف (سورج گرہن) کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

"جو چیز بھی میں نے دیکھی تھی، مجھے وہ اس جگہ دکھا دی گئی (ترجمہ)

امام طبرانی، معجم کبیر میں، نعیم بن حماد، کتاب الفتن میں اور ابونعیم، حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دُنیا بلند کی، تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا مشاہدہ کرتا ہوں جیسے کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں"

اللہ تعالیٰ نے تمام زمین آپ پر منکشف فرما دی جیسے کہ آپ سے پہلے دوسرے انبیاء کرام پر منکشف فرمائی۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝ (الانعام ۶، آیت ۷۵)

اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں سے ہو جاتے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خداداد علمِ غیب کی نسبت کرنا اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس پر انکار نہ فرمانا

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔

فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا شَيْئَ غَيْرُهٗ
وَاَنَّكَ مَاْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبِ
وَاَنَّكَ اَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ شَفَاعَةً
اِلَى اللّٰهِ يَاابْنَ الْاَكْرَمِيْنَ الْاَطَائِبِ
فَكُنْ لِّيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَاذُوْشَفَاعَةٍ
سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ

- میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے (موجود حقیقی) نہیں ہے اور آپ ہر غیب پر امین بنائے گئے ہیں۔
- اے طیب اور معزز ہستیوں کے چشم وچراغ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت تمام رسولوں سے زیادہ مقبول ہے۔
- آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں، جب آپ کے سوا، سواد بن قارب کا کوئی ملجا و ماویٰ نہ ہوگا۔

مسند میں یہ اشعار اسی طرح بیان کئے گئے ہیں، دوسری روایت میں "لَاشَيْئَ غَيْرُهٗ" کی جگہ "لَارَبَّ غَيْرُهٗ" مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نعتیہ قصیدہ میں درج ذیل امور بیان کئے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے وجودِ حقیقی کی نفی فرمائی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔

۲- نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مُغَیَّبات کا علم ثابت کیا ہے، کیونکہ انہوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر غیب کا امین قرار دیا ہے اور جو کسی شے کا علم ہی نہ رکھتا ہو، وہ اس کا امین نہیں ہو سکتا۔

۳- ان کا ایمان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت عطا فرمائی گئی ہے۔ جیسے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ اور مجھے شفاعت دی گئی۔

ضروری وضاحت

کوئی مسلمان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب، اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (تم فرما دو کہ میں صرف انسان ہوں تمہاری طرح) تو اس کے ساتھ ہی یہ فرما دیا: یُوْحٰی اِلَیَّ (میری طرف وحی نازل کی جاتی ہے) اور ہم میں سے کون ہے؟ جس پر وحی نازل کی جاتی ہو، (الکہف ۱۸، ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اُن مشرکوں کی سخت مذمت فرمائی، جنہوں نے انبیاء کرام کی مماثلت کا دعویٰ کیا اور کہا: مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰس ۳۶، ۱۵) (تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو)،

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علمِ غیب، اللہ تعالیٰ کے علمِ ذاتی اور قدیم سے مستفاد اور حادث ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (النساء ۴، ۱۱۳)

اور تمہیں وہ سب کچھ بتا دیا، جو تمہیں معلوم نہ تھا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے اس احسان کا اظہار فرمایا ہے کہ اُس نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں معلوم نہ تھا اور اس کے بعد فرمایا،

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (اور تم پر اللہ کا احسانِ عظیم ہے) (النساء ۴، ۱۱۳)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر کس قدر بڑا احسان فرمایا ہوگا؟

لوح و قلم کا علم

گزشتہ تفصیل کی روشنی میں ہم امام علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کے اس مصرع کا معنیٰ سمجھ سکتے ہیں۔

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

حضرت علامہ مُلّا علی قاری، قصیدہ بُردہ کی شرح الزبدۃ میں اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں:

"لوح کے علوم سے مراد وہ مقدس نقوش اور غیبی صورتیں ہیں، جو اس میں ثبت ہیں اور قلم کے علم سے مراد وہ علم ہے ——— جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت فرمایا ہے۔"

لوحِ محفوظ میں صرف دُنیا کے حالات و وقائع لکھے گئے ہیں، کیونکہ آخرت، وزِقیامت کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس سے بھی ماوراء ہیں، جو لوحِ محفوظ میں نہیں سما سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے بارے میں فرمایا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء ۴، ۷۷)

تم فرما دو کہ دُنیا کا ساز و سامان تھوڑا ہے

جس دُنیا کو اللہ تعالیٰ نے قلیل قرار دیا ہے، وہ اس کی عظیم و جلیل ذات و صفات کے مقابل کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس سے پہلے جو صحیح حدیثیں نقل کی جا چکی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا علم، مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ (جو کچھ دُنیا میں ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا) کے علاوہ روزِ قیامت حشر و نشر، حساب و کتاب اور میدانِ محشر کے مختلف مقامات کو

شامل ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں کے ثواب وعقاب، لوگوں کے جنت اور دوزخ میں اپنی اپنی منزلوں میں جانے اور اس سے بھی بعد تک کی تفصیلات، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق اپنی اُمت کو بیان فرمائیں۔ اسی طرح شبِ معراج، اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق اتنے علوم حاصل ہوئے کہ ان کی مقدار دینے والا ہی جانتا ہے۔ اس تفصیل سے علامہ بوصیری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے فرمان کا مطلب واضح ہوگیا، وہ فرماتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں جو ماکان ومایکون کا علم ثابت ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداد علوم کا بعض ہے۔

مختصر یہ کہ شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ وغیرہ میں تمام تر الزام سید مالکی کو دینے کی کوشش کی ہے اور انہیں گمراہ، گمراہ کُن اور صراطِ مستقیم سے برگشتہ قرار دیا ہے۔ جلد بازی میں انہیں یہ احساس نہیں رہا کہ سید علوی مالکی نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، بلکہ انہوں نے علامہ بوصیری کا قول نقل کیا ہے۔

قرآن پاک کی آیتِ کریمہ اور ایک حدیث کا مطلب

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان ۳۱- آیۃ ۳۴)

بیشک قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے، وہ بارش نازل فرماتا ہے اور ہر وہ چیز جانتا ہے جو رِحموں میں ہے اور کوئی جاندار نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی جاندار نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا، بیشک اللہ جاننے والا اور خبر والا ہے۔

کیا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے؟ اور اسی کی ذات میں منحصر ہے؟ ایک محقق عالم[۱] اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ آیات، خصوصی اختصاص تو کجا مطلق اختصاص پر بھی دلالت نہیں کرتیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُنَزِّلُ الْغَیْثَ (وہ بارش نازل فرماتا ہے) اور ارشاد (لقمٰن ۳۱، ۳۴) فرماتا ہے: وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ (اور رحموں کی ہر چیز کو جانتا ہے) ان امور کے مقامِ حمد میں ذکر کرنے سے مطلقاً یہ لازم نہیں آتا کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صفتِ سمع، بصر اور علم سے اپنی تعریف فرمائی اور بندوں کے یہ اوصاف بھی گناتے جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ (تمہارے فائدے کے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا فرمائے) (النحل ۱۶، ۷۸) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ وصف بیان فرمایا: لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی (میرا رب نہ بہکے اور نہ بھولے) حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام (طٰہٰ ۲۰، ۵۲) بھی ضلال (بہکنے) سے منزہ ہیں۔ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ (اے قوم! (الاعراف ۷، ۶۱) میں بہکا ہوا نہیں ہوں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا) انبیاء کرام بھی ظلم سے مبرا ہیں۔ (النساء ۴، ۴۰) لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (میرا عہد (نبوت) ظالموں کو نہیں ملتا) (البقرہ ۲، ۱۲۴)

بخاری شریف کی شرح ارشاد الساری میں سورۂ رعد کی تفسیر میں ہے۔ اس آیت میں پانچ غیبوں کا ذکر فرمایا ہے، اگرچہ غیوب شمار سے باہر ہیں، کیونکہ عدد، زائد کی نفی نہیں کرتا۔

علامہ بدر الدین عینی، عمدۃ القاری، شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث کی بناء پر کوئی شخص ان پانچ چیزوں تک رسائی کی امید نہیں رکھ سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد

---

[۱] احمد رضا خاں قادری، علامہ شیخ: الدولۃ المکیۃ

باری تعالیٰ وَعِندَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں) کی تفسیر ان پانچ چیزوں سے فرماتی ہے۔ (الانعام ۶، ۵۹)

اس کے بعد علامہ قرطبی نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے کے بغیر ان پانچ چیزوں میں سے کسی کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

غور کیجیے کہ علامہ قرطبی نے اس شخص کو جھوٹا قرار دیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر، ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے جاننے کا دعویٰ کرے۔ (اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے علم کا دعویٰ کرنے والا سچا ہو سکتا ہے)

مغیّباتِ خمسہ کا خداداد علم

مَا فِی الْاَرْحَام کا علم

۱- امام طبرانی، معجم کبیر میں اور ابن عساکر، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم کی والدہ (حضرت ماریہ قبطیہ) کے پاس تشریف لائے، وہ اس وقت اُمید سے تھیں۔ اس کے بعد باقی حدیث بیان کی جس میں یہ ارشاد ہے:

میرے پاس جبرائیل امین (علیہ السلام) تشریف لائے اور مجھے بشارت دی کہ ان کے پیٹ میں لڑکا ہے اور وہ سب سے زیادہ میرے مشابہ ہے اور مجھے کہا کہ میں اس کا نام ابراہیم رکھوں اور میری کنیت ابو ابراہیم قرار دی۔

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع کبیر میں فرمایا کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

۲- ابو نعیم، دلائل النبوۃ میں اور خطیب بغدادی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

راوی ہیں کہ مجھے حضرت اُمِّ فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزری، تو آپ نے فرمایا: تمہارے پیٹ میں ایک لڑکا ہے، جب وہ پیدا ہو، تو اُسے میرے پاس لانا۔ انہوں نے عرض کیا: میری قسمت میں یہ کہاں؟ قریش نے تو عملِ زوجیت کے ترک کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ فرمایا: میں نے تجھے جو کچھ بتا دیا ہے، وہ درست ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب وہ لڑکا پیدا ہوا، تو میں اسے بارگاہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لے آئی۔ آپ نے اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، اسے اپنا لعابِ دہن عطا فرمایا اور اُس کا نام عبد اللہ رکھا اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جا۔ میں نے یہ اطلاع حضرت عباس کو دی، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا: حقیقت وہی ہے جو میں نے اُمِّ فضل کو بتا دی ہے۔ یہ خلفاء کا باپ ہے، ان میں سے سفاح ہوگا اور ان میں سے مہدی ہوگا (چنانچہ ایسا ہی ہوا)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مَافِی الْاَرْحَام کا علم عطا فرمایا۔

۳- بلکہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں اور امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے مقام غابہ میں واقع باغ سے بیس وسق کھجوریں حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب ہوا، تو فرمایا: بیٹی! مجھے تم سے زیادہ کسی کا غنی ہونا محبوب نہیں اور اپنی وفات کے بعد تم سے زیادہ کسی کے فقر کا غم نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بیس وسق کھجوریں حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ کاش! تم حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیتیں، تو وہ تمہاری ملکیت ہوتیں۔ آج وہ وارثوں کا مال ہے اور وہ ہیں تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں۔ تم اسے قرآن پاک کے حکم کے مطابق تقسیم کر لینا۔ حضرت ام المومنین نے عرض کیا: ابا جان! بخدا اگر وہ مال اس سے بھی کہیں زیادہ ہوتا، تو میں اسے چھوڑ دیتی۔ میری ایک

بہن تو اسماء ہے، دوسری بہن کونسی ہے؟ فرمایا:

ذُوْ بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ

(خارجہ کی بیٹی (حضرت ابوبکر کی اہلیہ محترمہ) کے پیٹ والی)

طبقات ابن سعد میں اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ میرے دل میں القا کیا گیا ہے کہ وہ لڑکی ہے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا، چنانچہ ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

۴۔ بکثرت صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ رحم پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بچے کو مذکر یا مؤنث کی صورت اور حسین و قبیح شکل بناتا ہے، اس کی عمر، اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ کہ وہ خوش بخت ہے یا بدبخت؟ اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ما فی الارحام کا علم عطا فرمایا جاتا ہے۔

بارش کا علم

امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ایک عنوان قائم کیا ہے:

بَابُ اِخْبَارِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّحَابَۃِ الَّتِیْ اُمْطِرَتْ بِالْیَمَنِ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن میں برسنے والے، بادل کی خبر دی۔

۱۔ امام بیہقی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: بادل پر مقرر فرشتہ ابھی ابھی میرے پاس آیا، اس نے سلام کے بعد مجھے بتایا کہ وہ یمن کی ایک وادی، ضریح کی طرف بادل لے جا رہا ہے۔ اس کے بعد ایک سوار ہمارے پاس آیا جس نے پوچھنے پر بتایا کہ اس روز بارش ہوئی تھی۔

امام بیہقی فرماتے ہیں اس کی تائید حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی کی روایت سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میرے پاس بادل کا فرشتہ فلاں شہر سے آیا، جہاں فلاں دن بارش ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فرشتے

سے پوچھا کہ ہمارے شہر میں کب بارش ہوگی؟ تو اُس نے بتایا کہ فلاں دن ہوگی، وہاں کچھ منافقین بھی موجود تھے، انہوں نے اس بات کو یاد رکھا اور تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی اس شہر میں بارش ہوتی تھی، تو وہ ایمان لے آئے اور بارگاہِ رسالت میں بھی اس واقعے کا تذکرہ کیا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو مزید قوت عطا فرمائے۔

۲- سیدنا یوسف علیہ السلام نے اہلِ مصر کو فرمایا:

تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا (یوسف ۱۲، آیۃ ۴۷)

تم سات سال لگاتار کاشت کاری کرو گے

پھر فرمایا:

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ (یوسف ۱۲- آیۃ ۴۸)

پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے

پھر فرمایا:

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝ (یُوسف ۱۲، آیۃ ۴۹)

پھر اُن کے بعد ایک سال آئے گا، جس میں لوگوں کو بارش دی جائے گی اور اس میں رس نچوڑیں گے،

علمِ غیب کے چند مزید شواہد

۱- اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا تھا کہ آپ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوگا، چنانچہ انصار کرام کو فرمایا:

اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ

تمہارے ساتھ زندگی اور موت کا ساتھ ہوگا

یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا:

"اے معاذ! ہو سکتا ہے کہ تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ ملو اور تمہارا گزر میری اس مسجد اور قبر کے پاس سے ہو۔" (مسند امام احمد بن حنبل)

۳۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو روانگی کا حکم دیا، جب میدانِ بدر میں پہنچے تو زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہاں فلاں کافر گرے گا اور یہاں فلاں، جس جس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی تھی، کوئی کافر اس سے اِدھر اُدھر نہیں گرا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

وَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَأُوا الْحُدُوْدَ الَّتِیْ حَدَّھَا رَسُوْلُ اللہِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشان زدہ جگہوں سے وہ بالکل دائیں یا بائیں نہیں گرے

امورِ غیبیہ کی خبریں

یہ امر ظاہر ہے کہ لفظِ نبی، "نبوۃ" یا "نبوءۃ" سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے، دوسرے لوگوں سے پوشیدہ امور کا خداداد علم، اللہ تعالیٰ یہ علم عطا فرماتا ہے تاکہ قوم کے سامنے نبی کی نبوت کی دلیل ہو۔

مغیبات کا علم اور ان کی روزِ روشن کی طرح خبریں دینا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ اشیاءِ غیبیہ کی خبریں ہم تک ناقابلِ انکار، تواترِ قطعی سے پہنچی ہیں۔ جن میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ احادیث حدِ شمار سے باہر ہیں۔

اس سے پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے اور قیامت تک ہونے والی ہر چیز بیان فرمادی، جس نے یاد رکھا، اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا، اس نے بھلا دیا (حضرت حذیفہ فرماتے ہیں) میرے ساتھی حاضرین صحابہ کرام کو اس واقعہ کا علم ہے۔ ان میں سے کوئی چیز پائی جاتی ہے، جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں، تو میں اسے اس طرح پہچان لیتا ہوں، جیسے کوئی شخص غائب رہا ہو، پھر سامنے آئے تو یاد آجاتا ہے۔

پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا انہوں نے از خود بھلا دیا ہے؟ بخدا! قیامت تک جو بھی فتنے کا قائد ہونے والا ہے جس کے ساتھی تین سو یا اس سے زیادہ ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا، اس کے باپ کا اور اس کے قبیلے کا نام بیان فرمایا (بخاری و مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں اڑنے والے ہر پرندے یا اس کی پرواز کے بارے میں ہمیں علم عطا فرما دیا تھا۔ (یعنی ہمیں اس پرندے یا اس کی پرواز کے متعلق اجمالی یا تفصیلی احکام بیان فرما دیتے ۱۲ رفاعی) اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے صحیح سند سے، ابو یعلیٰ اور ابن منیع نے حضرت ابوالدرداء سے اور انہوں نے حضرت ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کیا۔

کتب صحاح کے مصنفین جیسے امام بخاری، مسلم، ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی روایت کردہ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بکثرت امور غیبیہ کی خبر دی اور ان کے ظہور کا وعدہ فرمایا۔ صحابہ کرام کو دشمنوں پر غالب آنے کی بشارت دی، چنانچہ وہ آپ کے بیان کے مطابق دشمنوں پر فتح یاب ہوئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتم صلوٰۃ و اکمل تسلیم

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی بھی خبر دی، چنانچہ مکہ مکرمہ آپ کی حیات شریفہ

میں فتح ہوگیا۔ یہ امر مفسرین، محدثین اور مؤرخین کے نزدیک معروف ہے اور امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی فتح کی خبر دی جو پوری ہوئی جیسے کہ امام بخاری و مسلم نے حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا۔

آپ نے یمن، شام اور عراق کی فتح کی خبر دی اور ان میں سے ہر ایک آپ کی خبر کے مطابق فتح ہوگیا جیسے کہ امام بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

امام بخاری راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت اس حد تک امن قائم ہوگا کہ ایک عورت حیرہ (کوفہ کے قریب ایک شہر) سے مکہ معظمہ تک سفر کرے گی اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا۔

نیز امام بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہلِ مدینہ سے جنگ کی جائے گی (چنانچہ ایسا ہی ہوا)

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ جنگ قیامت کے قریب واقع ہوگی اور امام تلمسانی فرماتے ہیں کہ یہ جنگ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں واقع ہوئی۔ یزید نے اپنے لشکر شام سے مدینہ طیبہ بھیجے۔ انہوں نے اہلِ مدینہ سے جنگ کی اور انہیں لوٹا۔ یہ جنگ معروف ہے اور مقام حرہ میں واقع ہوئی۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے باہر ہے، جہاں سیاہ پتھر بکھرے ہوتے ہیں۔ اس جنگ میں مہاجرین و انصار کے بہت سے صاحبزادگان شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ماہِ ذوالحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔ اس واقعہ کے بعد یزید فوت ہوگیا۔

امام نووی اور تلمسانی کے اقوال میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس جنگ کی خبر دی ہے، وہ مطلق ہے۔ آپ کے بیان میں اس کے زمانے کی تعیین نہیں ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ جنگ دو دفعہ ہو۔ ایک دفعہ یزید کے زمانے میں جیسے امام تلمسانی نے فرمایا اور دوسری دفعہ قیامت کے قریب جیسے امام نووی نے فرمایا۔[1]

---

[1] السید محمد مہدی الرفاعی الشیعی … [illegible]

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ کل علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا۔ امام بخاری و مسلم، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں کل اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب اور محب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔" پھر حضرت علی مرتضیٰ کو بلایا، اُن کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔ آپ نے اُن کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا، وہ شفایاب ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

امام بخاری اور مسلم راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ دنیا آپ کی امت کے لیے فتح کی جائے گی اور آپ کی امت کو دنیا کی زیب و زینت عطا کی جائے گی۔ (یعنی انہیں مال و جاہ کی کثرت عطا کی جائے گی اور وہ قیصر و کسریٰ کے خزانے آپس میں تقسیم کریں گے۔ ۱۲ رفاعی)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امورِ غیبیہ کے بارے میں بطورِ خرقِ عادت اور معجزہ جو کچھ بیان فرمایا تھا، وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

آپ نے امت میں پیدا ہونے والے فتنوں، اختلافات اور خواہشِ نفس کی بنا پر پیدا ہونے والے مختلف مذاہب اور اُمت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کی خبر دی اور یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے نجات پانے والی ایک جماعت ہی ہوگی۔ دنیا نے آپ کے فرامین کی سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ آپ کی اُمت کے لیے دریاں، (قالین وغیرہ) بچھائی جائیں گی، وہ صبح ایک حلہ (دو چادروں کا مجموعہ) پہنیں گے اور شام کو دوسرا، ان کے آگے کھانے کا ایک پیالہ (ڈونگہ) رکھا جائے گا اور دوسرا اُٹھا لیا جائے گا اور ان کے گھر کعبے کی طرح پردوں سے ڈھانپے جائیں گے (پھر صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) اور اُن کی اس وقت کی حالت سے تمہاری آج کی حالت بہتر ہے۔

حدیث شریف میں لفظ اَنْماط واقع ہے جو نَمَطٌ کی جمع ہے، یہ ایک قسم کی دری ہے جس کے ساتھ کجاوہ ڈھانپا جاتا ہے۔

یہ عظیم وجلیل معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آنے والے واقعات دکھا دیئے، آپ نے ان کی خبر دی اور ایک عرصہ بعد وہ ہمارے سامنے ظہور پذیر ہوئے۔ آج دنیا بھر کے بہت سے مسلمان اپنے گھروں کو کئی قسم کے کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں، دروازوں اور کھڑکیوں کے آگے پردے آویزاں کرتے ہیں اور سونے کے لیے پلنگوں پر گدے بچھاتے ہیں جو انہیں کجاووں کی طرح ڈھانپ لیتے ہیں۔ عرب وعجم کے اسلامی ممالک کے اہل ثروت میں یہ رواج عام ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ہے کہ اُس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا فرما دیا۔

آپ نے یہ بھی خبر دی کہ میری امت جب فخر وناز سے چلے گی اور فارس اور رُوم کی بیٹیاں ان کی خدمت کریں گی، تو اللہ تعالیٰ ان کا رُعب اور خوف خود اُن پر مسلط فرما دے گا اور ان کے شریر لوگوں کو اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا۔

اس حدیث میں لفظ مُطَيْطَاء واقع ہوا ہے جس میں میم مضموم، دونوں طاء مفتوح اور ان کے درمیان یاء ساکنہ اور آخر میں الف ممدودہ ہے، اس کا معنیٰ ہے فخر اور تکبُّر۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے خبر دی کہ آپ کی اُمت، ترک، خزر اور روم سے جہاد کرے گی اور قیصر وکسریٰ اور فارس ختم ہو جائیں گے۔ پھر کوئی قیصر، کسریٰ اور فارس نہیں ہوگا۔ امام بخاری اور مسلم نے یہ حدیث روایت کی، لیکن اس روایت میں فارس کا ذکر نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ عنقریب عرب کے لیے شر واقع ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ

عرب کے لیے ہلاکت ہے اس شر سے جو قریب ہے

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

عرب کے لیے یہ فتنہ اولاً حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی صورت میں واقع ہوا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ پھر تاتاریوں کے بغداد پر حملہ کرنے اور خلافتِ اسلامیہ کے ختم کرنے کی صورت میں یہ فتنہ اپنے عروج کو پہنچ گیا، یہاں تک کہ مسلمان تین سال تک خلیفہ کے بغیر رہے۔ اللہ کی پناہ! حکم اسی کا نافذ ہے اور اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔ زبانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی اس خبر کی سچائی روزِ روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہو گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت کی حکومت زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچے گی۔ امام مسلم حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو دیکھا، عنقریب میری اُمت کی حکومت ان مقامات تک پہنچے گی جو میرے سامنے سمیٹ کر پیش کیے گئے۔

مطلب یہ کہ تمام زمین سمیٹ کر یک دم میرے سامنے پیش کر دی گئی اور میری اُمت اسے آہستہ آہستہ فتح کرے گی، یہاں تک کہ تمام زمین کی مالک بن جائے گی، چنانچہ اس امت کی حکومت مشرق سے مغرب تک پہنچی، لیکن شمال و جنوب کی طرف اتنی نہیں پھیلی کیونکہ حدیث میں شمال اور جنوب کی طرف پھیلاؤ کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے بھی سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہو گئی۔

امام حاکم کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان مصائب کی خبر دی جو آپ کے اہل بیت کو لاحق ہوں گے، مثلاً حسنین کریمین اور باقی اہل بیت کے واقعاتِ شہادت انہیں شہید کرنے اور خوف زدہ کرنے کی خبر دی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حَوْأَب (ایک گاؤں کا نام) کے کُتّے آپ کی ایک زوجہ مطہرہ ام المومنین پر بھونکیں گے اور ایسا ہی ہوا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئیں، مصالحت تو نہ ہو سکی، لیکن جب مقام حوأب میں پہنچیں تو وہاں کے کُتّے بھونکنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سچّا ہوگیا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی نے روایت کی۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی کہ آپ کی بعض ازواج مطہرات (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے آس پاس بہت سے لوگ قتل کیے جائیں گے اور وہ محفوظ رہیں گی، جیسے کہ امام بزار نے سندِ صحیح سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

بعض محدّثین نے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارد گرد مقتولین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی اور ام المومنین محفوظ رہیں اور حوأب کے کتے انہیں دیکھ کر بھونکنے لگے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور اس بدبخت کا تذکرہ فرمایا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ اقدس کے خون سے آپ کی داڑھی کو رنگین کرے گا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے روایت کی۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو اُمیہ کی حکومت کی خبر دی جیسے کہ امام ترمذی اور حاکم نے یہ حدیث حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور امام بیہقی نے حضرت

سعید بن مسیب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو عباس کے سیاہ جھنڈوں کے ہمراہ نکلنے اور کئی گنا بڑی مملکت کے قائم ہونے کی خبر دی، چنانچہ آپ کا فرمان سچا ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا، عثمان قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوں گے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قمیص (خلافت) پہنائے گا، مخالفین اس کے اتارنے کی کوشش کریں گے اور ان کا خون اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ" پر گرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (البقرۃ ۲، ۱۳۷)

حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عمر کی زندگی میں فتنے ظاہر نہیں ہوں گے، چنانچہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے، فتنوں نے سر نہیں اٹھایا۔

آپ نے یہ بھی خبر دی کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی گروہ شہید کرے گا۔ چنانچہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو خبر دی جس میں حضرت ابوہریرہ، حضرت حذیفہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے کہ تم میں سے آخری آدمی کی موت آگ سے ہوگی، چنانچہ صحابہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے (کہ یہ کس کی طرف اشارہ ہے) حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے آخر میں وصال ہوا، وہ بوڑھے اور کمزور ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی عقل میں فرق آگیا اور جسمانی طور پر مفلوج ہوگئے۔ انہوں نے اپنے جسم کو آگ سے داغا جس کے سبب ان کا جسم جل گیا اور ان کی وفات واقع ہوگئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قبیلۂ ثقیف میں ایک کذاب اور

خونخوار ہوگا، چنانچہ اس قبیلہ سے مختار بن عبید کذاب پیدا ہوا (جو اس حد تک بڑھا کہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا) اور حجاج بن یوسف ایسا جلاد اور ظالم پیدا ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ مسیلمہ کذاب کو اللہ تعالیٰ قتل فرمائے گا، چنانچہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں قتل ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میرے اہل میں سے پہلے پہل میری صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے ساتھ ملیں گی، چنانچہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد وصال فرما گئیں، اس وقت تک آپ کے اہل میں سے کسی کی وفات نہیں ہوئی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت ہوگی، اس کے بعد سلطنت ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی کے حال کی خبر دی، چنانچہ ان کا حال اُسی طرح سامنے آیا۔

سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر آندھی چلی تو مدینہ طیبہ میں ایک منافق کی موت کی خبر دی۔ صحابۂ کرام جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔

ایک دن فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بارگاہ میں حاضر ایک جماعت کو فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص کی، آتشِ جہنم میں اُحد پہاڑ سے بھی بڑی داڑھ ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے دُنیا سے رُخصت ہوگئے۔ میرے علاوہ ایک شخص باقی رہ گیا، وہ مرتد ہوگیا اور یمامہ کی جنگ میں اسی حال میں مارا گیا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذٰلک۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں خبر دی جس نے یہودیوں کا ایک منکا چرالیا تھا، چنانچہ وہ اس کے سامان میں پایا گیا۔

ایک شخص نے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر اڑالی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف اس شخص کی نشان دہی فرمائی، بلکہ یہ بھی بتادیا کہ وہ چادر کہاں ہے، چنانچہ وہ اسی جگہ پائی گئی۔

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گم شدہ اونٹنی کے مقام کی نشان دہی فرمائی اور بتایا کہ کس طرح اس کی نکیل ایک درخت میں اٹک گئی ہے۔ صحابہ کرام اس جگہ پہنچے، تو وہ انہیں اسی حال میں ملی۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفوان کے ساتھ عمیر کی گفتگو بیان فرمائی ــــــــ صفوان، تنہائی میں رازداری کے ساتھ عمیر کو کہا کرتا تھا کہ اگر تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو شہید کر دے، تو میں تجھے بہت سا مال دوں گا۔ جب عمیر بارگاہِ رسالت میں شہید کرنے کے ارادے سے حاضر ہوئے، تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے درمیان ہونے والی تمام خفیہ گفتگو بیان فرمادی، چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو اس مال کی خبر دی، جو وہ اُمِّ فضل کے پاس چھوڑ آئے تھے، باوجودیکہ حضرت عباس نے اس معاملہ کو خفیہ رکھا تھا اور وہ فرماتے تھے کہ اُس مال کا میرے اور اُمِّ فضل کے علاوہ کسی کو علم نہ تھا، چنانچہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، یہ حدیث امام احمد بن حنبل، حاکم اور امام بیہقی نے روایت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اُبَیّ بن خلف آپ کے ہاتھوں مارا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کے قتل ہونے کے مقامات کی نشان دہی فرمائی۔ ان کے قتل ہونے سے پہلے نام بنام کفار کے بارے میں فرمایا کہ اس جگہ فلاں قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں، اور ایسا ہی ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خبر دی اور فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا اور ایسا ہی ہوا۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی علالت کے دوران ان کی وفات کے مؤخر ہونے کی خبر دی۔ انہوں نے بیماری کی حالت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اُمید ہے کہ تم زندہ رہو گے اور کچھ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں گے اور کچھ نقصان پائیں گے۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی اور وہ اس کے بعد زندہ رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے غزوہ مُوتہ میں مسلمانوں کے سربراہوں کے شہید ہونے کی نام بنام خبر دی۔ یہ حضرات مقام مُوتہ میں شہید ہوئے تھے۔ مُوتہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان تقریباً ایک ماہ کی مسافت ہے۔ جس دن یہ حضرات شہید ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں فرمایا، زید بن حارثہ نے جھنڈا اٹھایا اور وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا اٹھایا، اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر از خود خالد بن ولید نے جھنڈا اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی۔

حبشہ میں حضرت نجاشی کا وصال ہوا، تو اُسی دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی وفات کی خبر دی، حالانکہ حبشہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہے۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی۔

جس دن کسریٰ کی عراق میں موت واقع ہوئی، اسی دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی موت کی خبر دی، حالانکہ مدینہ منورہ اور عراق کے درمیان تقریباً چالیس دن

کا فاصلہ ہے۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔

نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ سُراقہ بن مالک، کسریٰ کے کنگن پہنیں گے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اس دن تیرا کیا حال ہوگا؟ جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا، یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔ کسریٰ کے کنگن، امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ کے دور خلافت میں لائے گئے، تو آپ نے وہ دو کنگن حضرت سراقہ بن مالک کو پہنا دیئے اور فرمایا: حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھین کر سُراقہ کو پہنا دیئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسریٰ کے کنگن، حضرت سُراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا کر عظمتِ ایمان کا اظہار فرما دیا کہ ایمان وہ عظیم نعمت ہے جس کے سبب وہ زیور جو عجم کے بادشاہ بطورِ فخر پہنتے تھے۔ عرب کے ایک بدوی کو پہنا دیئے گئے (نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت بھی لوگوں کو دکھا دی)

نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں تنہائی کی زندگی بسر کریں گے، اسی تنہائی کے عالم میں ایک ویرانے میں داعیٔ اجل کو لبیک کہیں گے اور مختصر سی جماعت ان کے جنازے میں شامل ہو گی اور ایسا ہی ہوا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل، امام بیہقی، ابن راہویہ اور ابن ابی اسامہ نے روایت کی۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خبر دی کہ ان کا ایک عضو، اُن سے پہلے جنت میں جائے گا، چنانچہ ایک جہاد میں ان کا بازو کٹ گیا۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کے وصال کے بعد وہ اُمّ المومنین سب سے پہلے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گی جن کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔ سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا، ہاتھوں کی لمبائی سے مراد صدقہ و خیرات کی کثرت تھی، یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میدانِ طف (کربلا) میں شہادت کی خبر دی۔ آپ نے ایک مٹھی مٹی دکھائی اور فرمایا: اس میں وہ دفن ہوں گے۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔ ان کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرتِ جبرائیل علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت حسین حاضر ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا یہ کون ہیں؟ ان کا سوال بے علمی پر مبنی نہ تھا بلکہ وہ آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دینا چاہتے تھے، حضور نے فرمایا: یہ میرا بیٹا ہے۔ جبرائیل امین نے عرض کیا کہ آپ کی اُمّت انہیں شہید کرے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس زمین کی نشان دہی کردوں، جہاں انہیں شہید کیا جائے گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عراق کے میدانِ کربلا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہاں کی سرخ مٹی آپ کو دکھائی۔

مقدس ہے وہ ذات جس نے اپنے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ملک کے اسرار اور اپنی سلطنت کے عجائب دکھائے۔ اپنی سلطنت کے جہانوں میں تصرف عطا فرمایا۔ آپ کو اپنی عظیم ترین دلیل اور مخلوقات کا سردار بنایا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا وسیع علم رکھنے والے بعض علماء نے چھ ہزار سے زیادہ معجزات گنائے ہیں۔[1]

---

[1] سید محمد مہدی الرفاعی المعروف بالرواس: طی السجل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ـــــ اور علم غیب

ارشادِ ربانی ہے، قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (النمل ۲۷، ۶۵)

تم فرمادو کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والے غیب نہیں جانتے۔

اور ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (الانعام ۶، ۵۰)

اور میں (از خود) غیب نہیں جانتا

اور ــــــ

وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ

(الاعراف ۷، ۱۸۸)

اور اگر میں غیب جانتا، تو خیر کثیر جمع کر لیتا۔

بغیر کسی شک وشبہ کے ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی دوسری مقبول بارگاہ ہستی کی زبان پر جس غیب کا اظہار ہوا ہے وہ یا تو وحی کے ذریعے ہے یا الہام سے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیب کی جتنی خبریں دی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اور آپ کی نبوت ورسالت کے ثبوت کے طور پر ظاہر ہوئی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب پر مُطّلع ہونا اس قدر مشہور تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ چپ رہ۔ اگر کسی اور نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اطلاع نہ دی، تو میدان کے یہ سنگریزے ہی آپ کو اطلاع دے دیں گے۔

امام طبرانی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دُنیا پیش کی، تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی اشیاء کو اس طرح دیکھ رہا ہوں، جیسے کہ اس ہتھیلی کو۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَهٗ
إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِّنَ الصُّبْحِ سَاطِعٗ
أَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوْبُنَا
بِهٖ مُوْقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعٗ

"ہمارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں، جو صبح کے جانے پہچانے اُجالے کے پھیلنے پر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

ہم نابینا تھے، آپ نے ہمیں راہِ ہدایت دکھائی، اس ہدایت کے سبب ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا، وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

نَبِيٌّ يَرٰى مَالَا يَرَى النَّاسُ حَوْلَهٗ
وَيَتْلُوْ كِتَابَ اللّٰهِ فِيْ كُلِّ مَشْهَدِ
فَإِنْ قَالَ فِيْ يَوْمٍ مَقَالَةَ غَائِبٍ
فَتَصْدِيْقُهَا فِيْ ضَحْوَةِ الْيَوْمِ أَوْ غَدِ

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اردگرد وہ کچھ (ملائکہ وغیرہ) دیکھتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے اور ہر مقام پر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اگر آپ کسی امر غائب کے بارے میں کوئی بات کہہ دیں، تو اس کی تصدیق اسی دن چاشت کے وقت ہو جائے گی یا دوسرے دن۔

امام بخاری، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ ہم اپنی

عورتوں سے کھل کر بات کرنے سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال بعد ہم نے بلا تکلف بات کی۔

امام بیہقی، حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے ہوئے بھی بعض باتیں کہنے سے گریز کرتا تھا کہ کہیں اس بارے میں قرآن پاک کی کوئی آیت نازل نہ ہو جائے۔

اس قسم کے معجزات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اکثر و بیشتر حالات میں، کسی کے سوال کرنے پر یا سوال کے بغیر، موقع محل کے مناسب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کا صدور ہوا ہے۔ اس قسم کے معجزات کی تعداد باقی عام معجزات سے زیادہ ہے۔

امام احمد بن حنبل، اور امام طبرانی، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ ہر پرندے کے بارے میں ہمیں علم عطا فرما دیا۔

امام مسلم، حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے، ظہر کی نماز تک خطاب فرمایا، پھر اتر کر نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر عصر تک خطاب فرمایا، نماز عصر پڑھ کر پھر منبر پر جلوہ گر ہوئے اور غروب آفتاب تک خطاب فرمایا۔ آپ نے ہمیں قیامت تک ہونے والی چیزوں کی خبر دی۔ ہم میں سے بڑا عالم وہ تھا جس کا حافظہ زیادہ تھا۔

امام بخاری اور مسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک جگہ کھڑے ہوئے اور اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا بیان فرمایا، جس نے یاد رکھا، اس نے یاد رکھا اور

جس نے بھلا دیا، اُس نے بھلا دیا۔ میرے یہ ساتھی اسے جانتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز پائی جاتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں، دیکھنے کے بعد مجھے وہ یاد آجاتی ہے جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے، پھر وہ سامنے آئے، تو اسے دیکھ کر اس کا چہرہ یاد آجاتا ہے۔

امام ابوداؤد، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ بخدا میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے یا انہوں نے بھلا دیا، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک پیدا ہونے والے ہر فتنے کے ایسے قائد اس کے باپ اور اس کے قبیلے کا نام بیان فرما دیا جس کے ساتھی تین سو یا اس سے زائد ہوں گے۔

امام ابویعلیٰ سندِ صحیح سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالتِ غضب میں باہر تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْئٍ اَلْیَوْمَ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ بِہٖ۔

آج تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھو گے، تو میں تمہیں اس کی خبر دوں گا

ہم سمجھ رہے تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! ہمیں جاہلیت کے دور سے نکلے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے، آپ ہمارے عیوب معاف فرما دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو عفو سے نوازے۔

امام ابویعلیٰ ایک ایسی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں جس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ قریش کا یہ قبیلہ امن سے رہے گا، یہاں تک کہ کفار انہیں ان کے دین سے کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جنت میں ہوں یا جہنم میں؟ فرمایا: جنت میں۔ پھر ایک دوسرے شخص نے اُٹھ کر یہی سوال کیا تو فرمایا: آگ میں۔ پھر فرمایا: جب تک میں خاموش رہوں، تم بھی خاموش رہو۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے، تو میں تمہیں اہلِ نار کی پوری جماعت کے بارے میں خبر دیتا کہ تم انہیں پہچان لو، اگر مجھ کو اس کا حکم دیا گیا، تو میں بیان کر دوں گا۔

غیب کی چابیاں اور وہ پانچ اشیاء جن کا آیتِ کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ" میں ذکر کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ (الانعام ۶، ۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، جنہیں وہی جانتا ہے

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور اس تک پہنچانے والے ذرائع بھی اسی کے ہاتھ اور اسی کی ملکیت میں ہیں جسے وہ اُن پر اطلاع دینا چاہے اطلاع دے دیتا ہے اور جسے ان سے بے خبر رکھنا چاہے بے خبر رکھتا ہے اور علمِ غیب کا فیضان صرف رسولوں پر فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ (آل عمران ۳، ۱۷۹)

اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہیں غیب پر آگاہ فرمائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، منتخب فرما لیتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن ۷۲، ۲۶)

غیب کا جاننے والا، وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو تسلط عطا نہیں فرماتا، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتوں میں عالم الغیب ہونے کی نسبت اپنی ذاتِ کریمہ کی طرف فرمائی ہے۔ البتہ اپنے برگزیدہ بندوں کو علمِ غیب عطا فرماتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں سے بھی آگاہ فرمایا اور آپ اس دُنیا سے تشریف نہیں لے گئے، جب تک ان پانچ چیزوں کو جان نہ لیا جیسے کہ حافظ سیوطی نے یہ قول نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

"بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا، وقتِ قیامت اور رُوح کا علم بھی دیا گیا، لیکن اس علم کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔" (خصائصِ کبریٰ ج ۲، ص ۱۶۰)

اسی طرح علامہ ابراہیم بیجوری نے قصیدہ بُردہ شریف کے حاشیہ ص ۸۱ پر فرمایا، علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، تفسیر جلالین کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دُنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے، جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں سے آگاہ نہیں فرما دیا، لیکن آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔"

(الصاوی علی الجلالین ج ۳، ص ۲۴۴)

امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر میں کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ اشیاء کے علم کی اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے نفی مقصود نہیں ہے اور نہ ہی ان پانچ اشیاء کی خصوصیت ہے، کیونکہ یہ بیان ایک خاص پس منظر میں، ایک خاص مطلب کے ثابت کرنے کے لیے ہے۔

(تفسیر رازی، ج ۲۵، ص ۱۶۴)

علامہ سید محمود آلوسی نے تفسیر رُوح المعانی ج ۲۱، ص ۱۱۲ میں یہ مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

"یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر غیب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور امورِ غیبیہ ان پانچ میں منحصر نہیں ہیں، خاص طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا یا اس لیے کہ نفوس ان امور کے جاننے کا بہت شوق رکھتے تھے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں :

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا، اگرچہ امورِ غیبیہ حدِ شمار سے باہر ہیں، کیونکہ کوئی عدد زائد کی نفی نہیں کرتا، نیز (کاہن وغیرہ) ان ہی پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔"

علامہ مناوی، جامع صغیر کی شرح میں حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"خَمْسٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰہُ پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک کلی اور جزئی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا علم محیط نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث اس امر کے خلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو بعض مغیبات، یہاں تک کہ ان پانچ میں سے بعض پر اطلاع دے دے اور معتزلہ کا اس امر سے انکار سینہ زوری ہے۔"

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن مقامات کی طرف بادلوں کے چلانے کا حکم دیتا ہے، تو بادلوں پر مقرر کردہ فرشتوں کو علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی رحم میں کسی شخص کو پیدا فرمانا چاہتا ہے، تو رحم پر مقرر کردہ فرشتے کو اپنے ارادے سے آگاہ فرما دیتا ہے جیسے کہ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے، وہ عرض کرتا ہے۔ اے رب! یہ نطفہ ہے اے میرے پروردگار! یہ منجمد خون ہے۔ یا اللہ! یہ لوتھڑا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا فرمانا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے۔ بار الٰہا! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ یہ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ اس کا رزق کیا ہے؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟

بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ فرشتہ یہ تمام چیزیں لکھ دیتا ہے۔ لازمی بات ہے کہ فرشتہ یہ سب باتیں جان لیتا ہے اور مخلوق میں سے جسے اللہ تعالیٰ چاہے علم عطا فرما دیتا ہے۔ اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، کیونکہ جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خاص کیا ہے، وہ ہر ایک کے احوال کا تفصیلی اور مکمل علم ہے۔ فرشتے اور بعض خواص کا علم ہو سکتا ہے کہ اس علم سے کم مرتبہ ہو، بلکہ یقیناً کم مرتبہ ہوگا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اشیاء مذکورہ کا علم جو اولیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے، وہ یقینی نہیں ہوتا (بلکہ ظنی علم ہوتا ہے)

علامہ ابن حجر عسقلانی، امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں:

"جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے بغیر ان پانچ اشیاء میں سے کسی ایک کے جاننے کا دعویٰ کرے، وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ (فتح الباری ج ۱، ص ۱۲۳)

علمِ قیامت

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وقتِ قیامِ قیامت کا علم کامل طور پر عطا فرما دیا ہو، لیکن آپ کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کے مماثل نہیں ہوگا، تاہم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس علم کا مخفی رکھنا واجب فرما دیا ہے اور یہ علم آپ کے خواص میں سے ہوگا، میرے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ میں یہ بات یقین سے کہہ سکوں۔

رُوح کا علم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (الاسراء ۱۷، ۸۵)

اے حبیب! تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں، تم فرماؤ کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

بعض حضرات نے فرمایا کہ آیتِ مبارکہ اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت سے آگاہ نہیں فرمایا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ آگاہ فرمایا ہو اور اس کے اظہار کا حکم نہ فرمایا ہو، بعض اہل علم نے علمِ قیامت کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا ہے۔

(فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب التفسیر ج ۸، ص ۳۰۴)

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، ج ۷، ص ۲۱۳)

لہٰذا یہ کہنے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے۔ جب بعض علماءِ سلف نے رُوح کے بارے میں گفتگو کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حقیقتِ رُوح کا مکمل علم ہے یا کچھ علم ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ تفاسیر میں حضرت ابن عباس، حضرت علی مرتضیٰ، قتادہ اور سہیلی کے رُوح کے بارے میں متعدد اقوال ملتے ہیں، مثلاً یہ کہ رُوح سے مراد جبرائیل امین علیہ السلام ہیں، وہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا وہ ایسے فرشتے ہیں جنہیں فرشتے بھی نہیں دیکھتے۔

(دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۶۱ اور دیگر تفاسیر)

اگر رُوح کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی محال ہوتا تو یہ جلیل القدر اہل علم ہرگز اس کے بارے میں لب کشائی نہ کرتے۔

اسی لیے امام علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رُوح کی حقیقت کا علم عطا فرمایا ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۳، ص ۱۶۰)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امورِ غیبیہ، یہاں تک کہ ان پانچ اشیاء کی اطلاع دی ہے، تو وہ دلیل کی بنیاد پر ایسا کہتا ہے، اب اگر وہ دلیل صحیح اور مفید مطلب ہے تو قائل کو حق پر تسلیم کیا جائے گا اور اگر وہ دلیل غلط ہے اور مطلب کو ثابت کرنے سے قاصر ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خطا پر ہے، معاذ اللہ! اسے کافر و مشرک قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحمت و رضوان سے نوازے، وہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اس فعل پر عذاب نہیں دے گا، جس میں علماء کا اختلاف ہو۔"

چوتھی فصل

مُقامِ مُصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہمارے آقا و مولا، امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم سب سے پہلے اپنی امت کو لے کر پُل صراط پر گزریں گے، اُسے اپنی نظرِ رحمت سے مشرف اور منور فرمائیں گے تاکہ آپ کی اُمت، آپ کی روشنی اور راہنمائی میں گزر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے کامل ترین مراتب اور اعلیٰ ترین درجات و فضائل آپ کی ذاتِ اقدس میں جمع فرما دیئے ہیں۔

آپ ہی کی ذاتِ انور، عالمِ ارواح میں سب نبیوں سے پہلی مخلوق اور عالمِ اجسام میں بعثت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے بعد ہے۔

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ انور، تمام انسانوں سے پہلے پیدا کی گئی اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میں پیدائش میں تمام انسانوں سے پہلے اور بعثت میں ان کے بعد ہوں"

یہ حدیث ابن سعد نے سندِ صحیح سے مرسلاً روایت کی۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں، ابو نعیم، ابن لال اور دیلمی نے سعید بن بشیر سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن الفاظ میں روایت کی، اس کا ترجمہ یہ ہے:

"میں تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت میں اُن سے آخر میں ہوں"۔

یہ روایت ابن سعد کی روایت کی تفسیر ہے، ان کی روایت میں جو انسانوں کا ذکر ہے، تو اس سے مراد، انبیاء ہیں۔

ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمِ ارواح میں تمام انبیاء کرام سے پہلے اور عالمِ اجسام میں سب سے بعد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام انبیاء سے پہلے آپ کو مقامِ نبوت عطا فرمایا۔ عالمِ ارواح میں آپ ہی سے بابِ نبوت کھولا گیا اور عالمِ اجسام میں آپ ہی سے نبوت کا دروازہ بند کیا گیا، لہٰذا آپ ہی فاتح ہیں اور آپ ہی خاتم ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ترمذی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو نبوت کب عطا کی گئی؟ تو فرمایا:

وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ۔

جب کہ ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔ اس حدیث کو امام ابونعیم، بیہقی اور حاکم نے صحیح قرار دیا، ان کے علاوہ یہ حدیث امام بزار، طبرانی اور ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ کب وصفِ نبوت سے موصوف ہوئے؟ فرمایا:

میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

یہ حدیث امام احمد نے روایت کی، امام بخاری نے تاریخ میں، امام طبرانی اور حاکم نے روایت کی، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ ہیثمی نے کہا کہ امام احمد اور امام طبرانی کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے۔

امام مسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا:

"میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر کھلے گی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔"

سب سے پہلے شفاعت

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ امام ترمذی اور دیگر محدثین حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن، اولادِ آدم کا ملجأ و ماوٰی ہوں گا اور یہ بات ازراہِ فخر نہیں کہتا، میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ بات ازراہِ فخر نہیں۔ حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت مقبول ہوگی اور یہ بطورِ فخر نہیں کہتا، بلکہ اظہارِ حقیقت ہے)

علامہ زرقانی، امام ترمذی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اسی طرح یہ حدیث امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کی۔

سب سے پہلے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں سب انبیاء کرام سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی، جیسے کہ سنن ترمذی وغیرہ میں ہے کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ؟ آپ کے لیے وصفِ نبوت کب ثابت ہوا؟ ایک روایت میں ہے: مَتٰی اُسْتُنْبِئْتَ؟ آپ

کب نبی بنائے گئے؟ اور ایک روایت میں ہے: مَتٰی کُنْتَ نَبِیًّا؟ آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

میں اس وقت نبی تھا جبکہ ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے

روزِ قیامت پہلا سجدہ

قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں درخواست کریں گے، تو سب سے پہلے آپ کو اجازت دی جائے گی اور آپ سب سے پہلے سجدہ کریں گے۔

امام احمد بن حنبل، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت دی جائے گی۔ سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا، اپنے آگے دیکھوں گا اور دوسری اُمتوں کے درمیان اپنی اُمت کو پہچان لوں گا، یہی کیفیت پیچھے اور دائیں بائیں ہو گی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دوسری اُمتوں کے درمیان اپنی اُمت کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا، وضو کی برکت سے اُن کے اعضائے وضو روشن ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی اس طرح نہ ہو گا۔ نیز میں انہیں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ ہائے اعمال دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور ان کے بچے ان کے آگے دوڑ رہے ہوں گے۔ [1]

---

[1] حافظ منذری فرماتے ہیں یہ حدیث امام احمد نے روایت کی، اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں، یہ حدیث متابعات میں سے ہے۔ مجمع الزوائد میں ہے یہ حدیث امام احمد نے روایت کی۔ امام بزار نے مختصراً روایت کی۔ ان کی روایت میں ہے: "وذراریھم نور بین ایدیھم"۔ ان کے بچے ان کے آگے نور ہوں گے اور امام احمد کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ سوائے ابن لہیعہ کے کہ وہ ضعیف ہیں بعض نے ان کی توثیق کی ہے، میں (رفاعی) کہتا ہوں کہ یہ حدیث ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے بھی روایت کی ہے جیسے کہ حافظ ابن کثیر نے سورۃ الحدید اور سورۃ التحریم کی تفسیر میں بیان کیا ۱۲ رفاعی

جنّت کا دروازہ آپ ہی کے لیے کھولا جائے گا

جنّت کا دروازہ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے کھولا جائے گا، اور آپ ہی سب سے پہلے جنّت میں تشریف لے جائیں گے، باقی سب لوگ آپ کے پیچھے جائیں گے۔

امام مسلم اور امام ترمذی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: میں جنّت کے دروازے پر آؤں گا اور کھولنے کے لیے کہوں گا۔ خازن کہے گا کون ہے؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ کہے گا: مجھے حکم دیا گیا ہے آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

نامِ مبارک کا ادب

برادرِ محترم، حضرت علامہ شیخ محمد سلیمان فرج نے ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان ہے:

دلائل المحبّة وتعظيم المقام في الصّلوٰة والسلام
علىٰ سيّدِ الانام

دلائلِ محبت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے وقت تعظیم و تکریم

اس مقالہ میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا نامِ مبارک لیتے وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر محبِّ مسلمان پر واجب ہے ــــــ کہ سیّدنا (ہمارے آقا و مولا) کہہ کر نام لے، کیونکہ یہ مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کے ذکرِ شریف کا احترام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ آپ کی شان اور قدر و منزلت کی تعظیم کا اہتمام کریں اور تعظیم و تکریم کے بغیر آپ کا نام نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور، ۲۴/۶۳)

تم آپس میں رسول اللہ کو اس طرح نہ پکارو، جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو

علامہ صاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ کا مطلب یہ ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام اور کنیت سے نہ پکارو، یَا مُحَمَّدُ! اور یَا اَبَا الْقَاسِمِ! نہ کہو، بلکہ تمام تر تعظیم و احترام کو ملحوظ رکھ کر پکارو اور خطاب کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلماتِ تعظیم کے بغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا کرنا نہ تو آپ کی حیاتِ طیبہ میں جائز ہے اور نہ آپ کے وصال کے بعد۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس کی توہین و تخفیف کرنے والا کافر اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

علامہ ابن جریر اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان داروں کو حکم دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کریں۔

علامہ سیوطی الاکلیل فی استنباط التنزیل میں اس آیت کا ذکر کرکے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا حرام ہے، بلکہ کہا جائے یارسول اللہ! یا نبی اللہ! اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم آپ کے وصال کے بعد بھی باقی ہے۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد نام اور کنیتیں ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ آپ کو ندا کرنا حرام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا"

مثلاً یا محمد ﷺ اور یا احمد! نہ کہے، اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام یَا مُحَمَّدُ! اور یَا اَبَا الْقَاسِمِ! کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کے پیشِ نظر انہیں منع فرمادیا، پھر وہ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

کہا کرتے تھے۔

ائمۂ اسلام اور فقہائے مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام سے ندا کرنا حرام ہے اور اُن کی دلیل یہی آیتِ مبارکہ ہے:

اس معنی کی طرف مشیر، قرآن پاک کی متعدد آیتیں وارد ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ (الاعراف ۷، ۱۵۷)

"پس جو لوگ اس رسولِ گرامی پر ایمان لائے، اُن کی تعظیم کی اور ان کے ساتھ نازل کیے گئے نور پر ایمان لائے، وہی کامیاب ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کو کامیاب قرار دیا ہے جو نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر اس طریقے سے تعظیم و تکریم کرتے ہیں جو اُن کے مقام و مرتبہ کی بلندی اور رفعت پر دلالت کرے، ظاہر ہے کہ سیدنا کے اضافے کے بغیر آپ کا نامِ نامی لینا، آپ کے مقامِ رفیع کے شایانِ شان نہیں ہے — نیز ارشادِ ربانی ہے:

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ

(الفتح ۴۸، آیت ۹)

تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو۔

ایک قراءت میں ہے: وَتُعَزِّرُوهُ یعنی تم ان کی قدر و منزلت پہچانو —! اور قرآنِ کریم کے انداز کو اپناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی نام لے کر ندا نہیں فرمائی —— يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اور يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ سے خطاب فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ ہم نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر تمام جہانوں میں بلند فرما دیا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۹۴، آیت ۴)

استحقاقِ سیادت[1]

ذکر کی بُلندی، تعظیم و تکریم کے القاب سے ہوتی ہے، سیادت بھی ان القاب میں سے ہے، جیسے کہ عرف عام میں اس کا استعمال تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت ہم لفظِ سیادت کے استعمال کرنے پر مامور ہوں گے اور اس کا ترک کرنا ہمارے لیے ممنوع ہوگا، کیونکہ سیادت کے بغیر آپ کے اسمِ گرامی کا استعمال کرنا رفعت سے خالی ہے۔

سیادت کا ذکر سدِّ ذرائع کے اعتبار سے بھی ضروری ہے تاکہ ملحدین کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کے لیے جواز نہ مل جائے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کی ہے کہ الرسول (الف، لام کے ساتھ) کہنا مکروہ ہے، مستحب اور پسندیدہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے رسول اللہ نے فرمایا، کیونکہ اضافت میں انتہائی درجے کی تعظیم و توقیر ہے۔ اضافت کے بغیر الرسول کہنے میں نقص کا شائبہ ہے، کیونکہ اس سے مراد، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا رسول (بھیجا ہوا) بھی ہوسکتا ہے، اس سے ملحدوں اور زندیقوں کو یہ موقع مل جائے گا کہ وہ کسی دوسرے شخص کا ذکر لفظِ رسول سے اس طرح کریں گے کہ سننے والے کو گمان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں جب کہ اُن کی مراد کوئی دوسرا شخص ہوگا، اس راستے کو بند کرنے کے لیے امام شافعی نے فرمایا کہ بغیر اضافت کے لفظِ رسول کا استعمال نہ کرنا چاہیے۔ پھر یہ اضافت علامت شرافت ہے، اس کا ترک کرنا سوءِ ادب سے خالی نہیں ہے، آج کے ہمارے عرف میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم شریف کا سیادت کے بغیر ذکر کرنا بھی ایسا ہی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید ——— اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ

---

[1] امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؂
جس کے زیر لوا آدم و من سوا
اس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام

مستشرقین؂ جن کا ادب و احترام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسمِ مبارک کو کلماتِ تعظیم کے بغیر ذکر کرتے ہیں۔

بنابریں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیادت کے بغیر ذکر جائز نہیں کہ اس میں کافروں کی مشابہت اور ان کی نفسانی خواہشات کی پیروی ہے، کیونکہ وہ بطورِ اہانت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○

(التوبۃ ۹ : ۶۹)

اور تم بیہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے، ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہوئے اور وہی نقصان والے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید بن معلّی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلایا، اس وقت تو میں حاضر نہ ہوا، پھر (نماز پڑھ کر) حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟

اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

(الانفال ۸ : ۲۴)

اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل کرو، جب تمہیں بلائیں۔

جب بارگاہِ نبوت کے ادب و احترام کا یہ عالم ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں مصروفِ عبادت ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہم پر فرض ہے تو حضور

؂ مستشرقین سے گیا شکایت ؟ کلمہ پڑھنے والے بعض لوگوں کا انداز دیکھ لیجیے:

"جس کا نام محمد یا علی ہو، وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔" (تقویۃ الایمان، اخبارِ محمدی، دہلی، ص ۴۴)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیادت کے ساتھ ذکر کرنا بطریقِ اولیٰ مطلوب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا، لوگوں کو اچھی بات کہو۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اَلنَّاس سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور حُسْنًا سے مراد اچھی بات ہے۔ ایک قرأت میں ہے حَسَنًا۔ ہم محترم حضرات کو سیّدی ومولائی (میرے آقا و مولا) کہتے ہیں، ثابت ہوا کہ ان الفاظ کا نبی اکرم سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال کرنا، آیتِ کریمہ سے بطریقِ اَولیٰ مطلوب ہوگا۔

جن لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے شرابِ صافی کا ایک قطرہ بھی چکھنا نصیب نہیں ہوا، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ سیدنا استعمال نہ کرنے پر اس حدیث شریف سے استدلال کرتے ہیں، جس میں آیا ہے "اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ" سید اللہ تعالیٰ ہے۔ عارف باللہ ابن عجیبہ نے جامع صغیر کے حاشیہ میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کامل سیادت، اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے، سب مخلوق، اس کے بندے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا، جب آپ کو ان القاب سے مخاطب کیا گیا جن کے ساتھ قبائل کے سرداروں کو مخاطب کیا جاتا تھا، مثلاً اَنْتَ سَیِّدُنَا وَمَوْلَانَا "آپ ہمارے آقا و مولا ہیں، خطاب کرنے والے نئے نئے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ کر دیں کہ کامل ترین خضوع و خشوع، مالکِ حقیقی کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ لفظ سید کا اطلاق، اللہ تعالیٰ کے لیے اس وقت جائز ہے۔ جب یہ معنی بیان کرنا مقصود ہو (جس کا ابھی ذکر ہوا) ورنہ ممنوع ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ شبہہ اس لائق نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے لیے لفظ سید کے استعمال کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا جاسکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

(آل عمران، ۳ : ۳۹)

سردار اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا اور نبی، ہمارے خاص بندوں میں سے

اگر سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے لیے لفظ "سید" استعمال کیا جا سکتا ہے، تو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا اور ہمیں قرآن پاک کے واضح اشارہ سے اس کا حکم ہوگا، بلکہ قرآن پاک میں دوسری جگہ اس شخص کے لیے سید وارد ہوا ہے جو دینی رفعت کا حامل بھی نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ (یوسف ۱۲ : ۲۵)

دونوں کی ملاقات اس خاتون کے سید سے دروازے کے پاس ہوئی

قیامت کے دن کافر کہیں گے:

اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا (الاحزاب ۳۳ : ۶۷)

ہم نے اپنے سادات (سرداروں) اور بڑوں کا کہنا مانا

اسی طرح لفظ مولیٰ بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے

يَوْمَ لَا يُغْنِىْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْــٴًـا (الدخان ۴۴ : ۴۱)

جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اس سلسلے میں احادیثِ مبارکہ حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ بکثرت حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا پر سید کا اطلاق آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر انسان سید (سردار) ہے، مرد اپنے گھر کا سید ہے اور عورت اپنے گھر کی سیدہ ہے۔

علامہ ذہبی نے فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔

غلام کو چاہیے کہ (اپنے مالک کو) سیّد اور سیّدہ کہے، وہ سب مملوک ہیں اور رب، اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ غلام کہے: "میرا سیّد اور میرا آقا"۔ (یوں نہ کہے کہ میرا رب)

جب غلام کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے آقا کو سیّد اور سیّدہ کہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سیّدنا کا استعمال کیوں ناجائز ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

"آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں دھڑکنے والے دل اندھے ہو جاتے ہیں۔" (الحج ۲۲: ۴۶)

صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو فرمائے گا: "اَلَمْ اُكْرِمْكَ وَاُسَوِّدْكَ" کیا میں نے تجھے عزّت اور سیادت عطا نہیں فرمائی؟ یعنی میں نے تجھے سیّد نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ کا نعمتِ سیادت عطا فرمانے پر احسان کا اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ سیادت، انسان کا شرف ہے، تو اس شرف کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کیوں نہ کی جائے؟ جو تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

ان دلائل سے ظاہر ہو گیا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سیادت کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے گا، اس کا قول قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ کے طریقے کے مخالف ہونے کے سبب لائقِ توجہ نہیں ہے۔

ایک مقولہ ہے: "لَا تُسَيِّدُوْنِيْ فِي الصَّلَاةِ" تم مجھے نماز میں سیّد نہ کہو، بعض لوگوں کا اس مقولہ کو حدیثِ نبوی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ عربی زبان کے لحاظ سے اس میں فاش غلطی ہے جس کی نسبت

افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کرنا جائز نہیں ہے، لغتِ عربی میں سَوَّدَ (واؤ کے ساتھ) کہا جاتا ہے نہ کہ سَیَّدَ (یاء کے ساتھ) بعض لوگوں نے اس غلطی کا احساس کر کے کہا کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں، "لَا تُسَوِّدُونِي فِي الصَّلَاةِ" (مجھے نماز میں سیدنہ کہو) لیکن یہ بھی سخت باطل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ اور افترا ہے۔ بہت سے محدثین نے یہ مقولہ ان موضوع روایتوں میں شمار کیا ہے جو غلط طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے گھڑی گئی ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے الحاوی للفتاوی میں تصریح کی کہ یہ باطل ہے اور ثابت نہیں ہے۔ حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسی طرح امام جلال الدین محلی، شمس الدین رملی، ابن حجر مکی ہیتمی اور بعض فقہاء شافعیہ اور مالکیہ نے فرمایا۔ ملا علی قاری نے موضوعات میں اس کے باطل ہونے کی تصریح کی ہے۔

اسی طرح یہ مقولہ "لَا تُعَظِّمُونِي فِي الْمَسْجِدِ" تم مسجد میں میری تعظیم نہ کرو، بھی باطل ہے۔ حافظ عجلونی، کشف الخفاء میں فرماتے ہیں کہ حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں فرمایا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ باجی، اپنے مولد کنز العفاۃ ج ۲، ص ۴۹ میں فرماتے ہیں کہ یہ قول بہت ہی بعید ہے اور جب مخالف احتمال موجود ہو تو دلیل قابلِ استدلال نہیں رہتی، تاہم اگر اسے واقع فرض بھی کر لیں تو موقع اور محل کے مطابق اس کی تاویل کی جا سکتی ہے جیسے علماء نے اس حدیث کی تاویل کی ہے: "اَلسَّيِّدُ اللّٰهُ" سید اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ بارگاہِ رسالت کا ادب و احترام، تعمیلِ احکام پر مقدم ہے جیسے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ نے اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا اشارہ بھی فرمایا۔ اس کے باوجود وہ پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے بعد آپ نے پوچھا، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ادب کے

پیشِ نظر اس طرح کیا اور ابن ابی قحافہ کی یہ ہمت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے آگے کھڑا ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اس معذرت کا انکار نہیں کیا۔ اسی طرح سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیلِ حکم پر ادب کو ترجیح دی۔ حدیبیہ میں جب صلح نامہ لکھا گیا تو اس میں لفظ رسول اللہ لکھا گیا، سہیل نے کہا بخدا! اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے منع نہ کرتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے، آپ محمد بن عبد اللہ لکھیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم نہ مانو، پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر فرمایا: لفظ رسول اللہ مٹا دو۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، خدا کی قسم، میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے مٹا دیا، مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حُسنِ ادب پر انکار نہیں فرمایا۔ علماء محققین نے فرمایا یہ ادب، مستحب ہے۔ اسی طرح سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے وقت لفظ "سیّد" کا اضافہ کرنا، محبوب ادب ہے۔

اس ادب و احترام کی ایک مثال سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ بھی ہے کہ جب آپ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے طوافِ کعبہ کو مؤخر کر دیا، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ مکہ مکرّمہ میں داخل ہونے والے پر طواف واجب ہے۔ (عمرہ یا حج کے ضمن میں) ان کے پیشِ نظر یہ ادب ہی تو تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے طواف نہ کیا جائے، انہوں نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف نہ کریں اور میں طواف کر لوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے جاننے کے باوجود ان پر انکار نہیں فرمایا۔

اس تفصیل سے پیشِ نظر مخالفین کے پیش کردہ شبہہ کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس میں شبہہ کی کوئی بنیاد ہے بھی سہی تو سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت ادب[1] و احترام کو ملحوظ رکھنا بھی بہر حال ضروری ہے۔

---

[1] کسی نے کیا خوب کہا ہے ع۔ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان وارد ہے:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ بات ازراہِ فخر نہیں کہتا

اور سید وہ ہے جو اوصافِ شرف و کمال میں اپنی قوم پر سبقت رکھتا ہو، بعض حضرات نے کہا کہ سید، وہ باکمال ہستی ہے کہ دوسرے جس کے محتاج ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سید، وہ شخصیت ہے جسے ربِّ کریم جل مجدہٗ کی بارگاہ میں عزت و کرامت حاصل ہو، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید، وہ ہے جس پر غیظ و غضب غلبہ نہ پائے۔

امام احمد، ابن ماجہ اور امام ترمذی کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار (ملجأ و ماویٰ) ہوں گا

امام احمد، بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "قیامت کے دن میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔" اس میں حضرت آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ ایک روایت میں ہے "آدم اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔" بلکہ اس مقصد میں یہ حدیث صریح ہے کہ "اَنَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ" میں تمام جہانوں کا سردار ہوں۔ دلائل النبوۃ میں امام ابو نعیم، سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں: "اَنَا سَیِّدُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا بُعِثُوْا" اہلِ ایمان جب اٹھائے جائیں گے، تو میں ان کا سردار ہوں گا۔ خطیب بغدادی کی روایت میں ہے کہ میں مسلمانوں کا امام اور متقین کا سید ہوں۔

یہ احادیثِ صحیحہ جو حدِّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، جن میں آیا ہے کہ میں اولادِ آدم، تمام مومنوں اور تمام جہانوں کا سردار ہوں، واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے ہر سچے محب مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے لیے لفظِ سیّدنا کا استعمال کرے۔ اب ہم ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جس میں صراحتہً اہلِ ایمان سے لفظِ سیادت استعمال کرنے کا مطالبہ ہے۔ امام حاکم، مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: "میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول، فرمایا یہ صحیح ہے لیکن مجھے بتاؤ، میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، فرمایا، میں اولادِ آدم کا سیّد (سردار) ہوں اور یہ بات) بطورِ فخر نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام کا تذکرہ ہے)

اس حدیث شریف سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ صحابہ کرام جواب میں آپ کی اس سیادت کا ذکر کریں جس کی بناء پر آپ کو تمام جہانوں اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر فضیلت ہے۔

اسی طرح لفظِ مولیٰ حدیث صحیح میں وارد ہے جسے امام احمد نے اپنی "مسند میں" امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

جس کا میں مولا (دوست اور محبوب) ہوں، علی مرتضیٰ اس کے مولا ہیں

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احادیثِ صحیحہ قطعیہ کی تصریح کے مطابق، ہمارے آقا و مولا ہیں، اسی طرح صحابہ کرام اور اہلِ بیت اطہار ہمارے سردار ہیں۔ امام بخاری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مومنہ عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا (راوی کو شک ہے) کہ تم اس اُمت کی عورتوں کی سردار ہو، تقریباً ان ہی الفاظ میں یہ حدیث امام مسلم نے بھی روایت کی ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں

ہو کہ تم اس اُمت یا (فرمایا) تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہو۔

لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم سیدہ فاطمہ طیبہ، طاہرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا جب بھی ذکر کریں، اُن کی سیادت کا بھی ذکر کریں۔ اسی طرح سیدنا و مولانا حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے وقت سیادت کا ذکر کیا جائے۔ امام بخاری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ میرا یہ بیٹا سید ہے اسی طرح سیدنا و مولانا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر بھی سیادت کے ساتھ کیا جاتے۔ امام ترمذی سندِ صحیح سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

اسی طرح سیدنا و مولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا و مولانا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں امام ابن ماجہ کی روایت میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر اور عمر، انبیاء و مرسلین کے علاوہ اوّلین و آخرین جنتی بوڑھوں کے سید (سردار) ہیں۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مطلب، صحابہ کرام کو واضح ترین الفاظ میں سکھایا۔ امام بخاری اور مسلم، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ قبیلہ قریظہ کے یہودی جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر (قلعہ سے) اُتر آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یاد فرمانے پر حضرت سعد، دراز گوش پر سوار ہو کر حاضر ہوئے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ اَوْ اِلٰی خَیْرِکُمْ

تم اپنے سید یا (فرمایا) اپنے افضل کی طرف اٹھو

کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد بھی اس شخص کے پاس کوئی دلیل رہ جاتی ہے؟ جو سید المرسلین، حبیب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ سیدنا استعمال کرنے کا روادار نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو منع فرمایا کہ آپ کے لیے کھڑے ہوں اور اسے ناپسند فرمایا۔ اس کے باوجود آپ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ ہمیں اس مطلب پر غور کرنا ہوگا، جس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور صحابۂ کرام کو اس کی جانب متوجہ فرمایا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصفِ سیادت سے موصوف فرمایا۔

دراصل اسلامی ادب، ہر ایمان دار کو یہ سکھاتا ہے کہ والد اور اُستاذ کا ادب کرے، انہیں نام لے کر نہ بلائے۔ امام نووی نے اپنی کتاب الاذکار میں ایک باب قائم کیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو، متعلم اپنے استاذ کو اور شاگرد اپنے شیخ کو نام لے کر نہ پکارے۔" اس باب میں ابن السنی کی یہ روایت لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، جس کے ہمراہ ایک لڑکا تھا، آپ نے اس لڑکے سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہ میرا باپ ہے، آپ نے فرمایا: تو اس کے آگے نہ چل، اسے بُرا بھلا کہنے کا موقع نہ دے، اس سے پہلے نہ بیٹھ اور اسے نام لے کر نہ پکار۔

جب اصحابِ علم و فضل کے بارے میں ہمیں اسلام یہ اخلاق سکھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے؟ جو تمام مومنوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ۔ (الاحزاب ۳۳، ۶)

نبی، مومنوں کی جانوں سے زیادہ اُن کے قریب ہے اور ان کی ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت میں یہ کلمات بھی ہیں وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں۔

جس شخص کے سینے میں دلِ بیدار ہے یا وہ پوری توجہ کے ساتھ بات کو سنتا ہے، وہ اس

گفتگو سے یقیناً اس نتیجے تک پہنچ جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فقط نام ذکر کرنا آپ کے ارفع واعلیٰ مقام کی تعظیم کے منافی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سیدنا کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ اُن کی جہالت اور ہوائے نفس پر مبنی ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم ایک جوہڑ کے پاس سے گزرے میں نے اس میں اُتر کر غسل کر لیا۔ نکلتے نکلتے مجھے بخار نے آلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا، ابو ثابت کو کہو کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ یا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے) میں نے عرض کیا یاسیدی! اور کوئی اچھا سا دم بھی؟ فرمایا، دم اُسے کیا جاتا ہے جسے نظر لگ جائے یا کوئی چیز ڈس لے۔

اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا و مولانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاسیدی کہہ کر پکارا، اس حدیث کو امام نسائی نے بھی قوی سند کے ساتھ روایت کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو خوبصورت انداز میں درود بھیجو، ہو سکتا ہے تمہارا درود بارگاہِ اقدس میں پیش کیا جائے اور کہو اے اللہ! اپنی صلاۃ، رحمت اور برکت سید المرسلین اور امام المتقین پر نازل فرما۔

صحابہ کرام ایک دوسرے کو اس لفظ سے یاد کرتے تھے جو تعظیم و تکریم پر دلالت کرتا ہے امام حاکم، مستدرک میں سندِ صحیح سے راوی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سلام کا جواب ان الفاظ میں دیا: وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَاسَیِّدِیْ! پھر فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ (حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سید ہے۔

حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ابوبکر ہمارے سید ہیں۔ انہوں نے ہمارے سید یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کیا۔ سیرتِ طیبہ کی کتابیں اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں جسے ناپسندیدہ تعصب اور گمراہانہ آراء کی پیروی اندھا کر دے۔ ہمارے نزدیک وہ کسی توجہ کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی ہم اسے کسی اہتمام کی اپیل کرتے ہیں، کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے محروم ہے۔

قرآن و حدیث کے ان روشن اور قاہر دلائل کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بلکہ مومنین صالحین کے لیے لفظِ سیادت (سیدنا) کے استعمال کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ امام بخاری، الادب المفرد میں اور امام ابوداؤد، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ منافق کو سید نہ کہو، کیونکہ اگر وہ تمہارا سید (سردار) ہے، تو تم نے اپنے رب کریم جل مجدہٗ کو ناراض کیا ہے ۔ منافق کے لیے لفظ سید استعمال کرنے کی ممانعت، اس بات کی دلیل ہے کہ مومن کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

اعمالِ صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربِ کے مراتب کے فرق کے مطابق سیادت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ امام حاکم، سندِ صحیح سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "سید الشہداء، حمزہ ابن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص ہے جس نے ظالم بادشاہ کو اچھے کاموں کا حکم دیا اور بُرے کاموں سے منع کیا، تو بادشاہ نے اسے قتل کر دیا۔" یہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیادت ہے شہداء کی نسبت سے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی سیادت، کسی خاص عمل سے مقید ہے اور کوئی کسی خاص زمانے سے، لیکن کامل اور مکمل سیادت اس ذاتِ اقدس کے لیے ہے جو سید خلائق اور رحمتِ کائنات ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حافظ عراقی، سیرتِ طیبہ کے موضوع پر اپنے الفیہ میں کہتے ہیں ؎

وَلَا یَحِلُّ الرَّفْعُ فَوْقَ صَوْتِہٖ

وَلَا یُنَادٰی بِاِسْمِہٖ بَلْ نَعْتِہٖ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنا جائز نہیں، آپ کو آپ کے نام سے نہیں، اوصاف سے ندا کی جائے گی (یعنی عرض کیا جائے:

یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ، یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، صلّی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم)

ابنِ ذکری اپنے قصیدۂ ہمزہ میں فرماتے ہیں:

لِحُرْمَةِ قَدْرِكُمْ حُرِّمَتْ دَعْوَتُكُمْ
بِاسْمِكُمْ وَ ذُمَّ النِّدَاءُ

آپ کی عزت وکرامت کے پیشِ نظر، آپ کو نام لے کر بُلانا حرام اور ندا، مذموم ہے

ابن عطاء اللہ، مفتاح الفلاح میں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "تُو لفظ سیدنا ہرگز ترک نہ کر، اس میں ایک ایسا راز ہے جو صرف اس عبادت کے التزام کرنے والے پر منکشف ہوتا ہے۔

ابوالعباس بونی، درود شریف کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک ادب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صرف نامِ اقدس لکھا ہوتا ہے، اس کے ساتھ سیدنا کا اضافہ نہیں ہوتا، دُرودِ پاک پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ سیدنا کے اضافہ کے ساتھ پڑھے، بارگاہِ رسالت کا یہی ادب ہے۔ جہاں تک لکھنے کا تعلق ہے تو وہ کمی بیشی کے بغیر روایت کے تابع ہے۔ قرنِ ثالث کے صالحین کا اس پر اتفاق ہے اور علمائے مجتہدین نے ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، صحیحین میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ۔" میں اولادِ آدم کا سیّد (سردار) ہوں۔

امام محمد بن جعفر الکتانی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمِ شریف کے ساتھ سیدنا وغیرہ کا اضافہ، تعظیم وتکریم کی دلیل، بالاتفاق مطلوب اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کے طور پر فی الجملہ مستحب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور ۲۴، ۶۳)

تم آپس میں رسول اللہ کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو

نیز ارشاد فرمایا،

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (الفتح ۴۸، ۸)

تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو

اس کے بعد الدرالمنضود سے ابن حجر کا کلام نقل کیا۔ پھر علامہ کتانی نے فرمایا: شیخ ابراہیم اللقانی توحید کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب الجوہرۃ کے حاشیہ عمدۃ المرید میں فرماتے ہیں، ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ سید کے استعمال میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ نماز میں اس کے استعمال میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مکروہ کہا اور بعض نے اسے جائز قرار دیا۔

وہ صیغے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ محققین علماء نے فرمایا کہ ان میں بھی سیدنا کا اضافہ کیا جائے، خواہ درود شریف کے وہ کلمات نماز میں پڑھے جائیں یا نماز سے باہر، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جائے نماز سے پیچھے ہٹ گئے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہرو (لیکن وہ پاسِ ادب کے طور پر پیچھے ہٹ گئے) اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح نامہ سے حضور نبی اکرم کا اسم شریف مٹانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ دراصل ادب و احترام کا لحاظ رکھنا تعمیل حکم سے زیادہ اہم ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ قرآن پاک کی طرح ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث میں بھی اضافہ نہ کیا جائے، تو علماء محققین کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس اعتبار سے قرآن و حدیث کو برابر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں،

۱۔ جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص الفاظ اور ان کے معانی کی صحیح پہچان رکھتا

ہو، اُس کے لیے حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے، جبکہ قرآن پاک میں یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

۲- حدیث شریف میں کوئی مشکل لفظ آجاتے تو درمیان میں اُس کی تفسیر جائز ہے جیسے کہ متعدد محدثین نے اس کی صراحت کی ہے اور ابن شہاب زہری تو اس پر عمل بھی کرتے ہیں، جبکہ قرآن پاک میں یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ اور سنت سے نہیں اور شریعت نے اسے مشروع قرار نہیں دیا، وہ مردود ہے اور جس کام کی اصل، از روئے شریعت ثابت ہو، وہ شرعاً جائز ہے اور امورِ دین میں سے ہے جیسے کہ بدعاتِ حسنہ ہیں، مثلاً رمضان شریف کی راتوں میں تراویح کے لیے جمع ہونا اور خطبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کرنا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب شریعت مُبارکہ کسی چیز کی جنس کو جائز قرار دے، تو وہ چیز بھی جائز ہوگی اگرچہ اس کی خصوصیت کے جواز کے لیے کوئی دلیل نہ ملے جیسے کہ فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابوں میں ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے سیدنا کا استعمال ایک عبادت ہے۔ شریعت نے اس کی جنس یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی گواہی دی ہے۔ یہ دلیل ہم ان صریح دلائل سے قطعِ نظر کرتے ہوئے پیش کر رہے ہیں جو اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں، بلکہ جس کام کے مشروع ہونے میں اختلاف ہو، اس کا کرنا بہتر ہوتا ہے جیسے کہ امام عز بن عبدالسلام نے اس کی تصریح کی اور قرافی نے اسے ترجیح دی جیسے کہ مواق نے سنن المہتدین میں ذکر کیا۔

دُرود شریف کے مختلف صیغے

حبیبِ کبریا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیجنے کے لیے بکثرت مختلف صیغے مروی ہیں جیسے کہ صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بہت سے ایسے صیغے

مروی ہیں، جن میں انہوں نے مزید تعریف کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اور زیادہ رحمتوں اور برکتوں کی بارش کے نزول کی دُعا کی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ وسلام کے متعدد صیغے جائز ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہی صیغے پڑھے جائیں جو مروی ہیں۔ شیخ عبدالکریم المدرس کی تصنیف نور الاسلام میں حضرت سلامہ کندی سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں ان الفاظ میں دُرود شریف کی تعلیم دیا کرتے تھے ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اے اللہ! زمینوں کو وسعت دینے والے، آسمانوں کے خالق! تو اپنی اشرف ترین رحمتیں، روز افزوں برکتیں اور کمال لطف وکرم نازل فرما، اپنے عبدِ مکرم اور رسولِ گرامی محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بند دروازوں کے کھولنے والے، خاتم الانبیاء، حق کا واشگاف اعلان فرمانے والے، باطل کے لشکروں کو تہس نہس کرنے والے، پوری قوت سے تیرے حکم کی اطاعت کرنے والے، تیری رضا پوری کوشش سے حاصل کرنے والے، تیری وحی کو محفوظ کرنے والے، تیرے عہد کے پاسدار، تیرے حکم کو نافذ کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے نور حاصل کرنے والوں کے لئے وہ عظیم نور روشن کیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اسباب، اس کے اہل تک پہنچ رہے ہیں، تو نے فتنوں اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے دلوں کو ان کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی، آپ نے دین کی روشن نشانیوں، احکام کی علامتوں اور اسلام کو روشن کرنے والی ہدایات کو رونق بخشی، وہ تیرے لائقِ اعتماد امین، تیرے محفوظ علم کا خزانہ، قیامت کے دن تیرے گواہ، تیری بھیجی ہوئی نعمت اور حق کے ساتھ بھیجی ہوئی رحمت مجسم ہیں۔

اے اللہ! تو انہیں جنت عدن میں وسیع ترین مقام، اور اپنے فضل سے بیشمار

بھلائیاں عطا فرما جو کدورت سے خالی اور انہیں راضی کرنے والی ہوں، یہ سب تیرے عطا کردہ ثواب اور عظیم انعام کا کرشمہ ہو۔ اے اللہ! اُن کی منزل، سب لوگوں کی منزل سے بلند و بالا فرما، انہیں معزز ترین مقام اور مہمانی عطا فرما، اُن کے لیے ان کا نور مکمل فرما اور چونکہ تو نے انہیں مقبول شہادت والا، پسندیدہ گفتگو، عادلانہ کلام، فیصلہ کن کارروائی اور عظیم بُرہان والا بنا کر بھیجا ہے، اس لیے انہیں اعلیٰ ترین جزا عطا فرما۔

درود شریف کے بارے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے ارشاد باری تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (الاحزاب ۳۳: ۵۶) کی تعمیل میں وہ کہتے ہیں: اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں اور تیرے دین کی خدمت کے لیے تیار رحمٰن و رحیم کی رحمتیں، ملائکہ مقربین، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صلوٰۃ اور سلام، سیدنا محمد بن عبداللہ، خاتم الانبیاء سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین، گواہ، خوشخبری سنانے والے اور تیرے اذن سے تیری طرف بلانے والے سراج منیر پر، جب تک کوئی بھی شے تیری تسبیح کرتی رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: اے اللہ! اپنی صلوات، رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ سید المرسلین، امام المتقین، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو تیرے عبد مکرم، رسولِ معظم، خیر کے امام اور رسولِ رحمت ہیں۔ اے اللہ! انہیں مقامِ محمود پر فائز فرما، جہاں اوّلین اور آخرین آپ پر رشک کریں گے۔ اے اللہ! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل کی۔ بیشک تو تعریف والا، بزرگی والا ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر برکتیں نازل فرما، جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکتیں نازل فرمائیں، بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے جو شخص چاہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض سے عمدہ پیالے میں پانی پیئے، اسے چاہیے کہ یوں کہے: اے اللہ! رحمت

خاص نازل فرما حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اُن کی آل، اصحاب، اولاد، ذریت، ازواجِ مطہرات، اصہار، انصار، متبعین، محبین اور امت پر اور اُن کے ساتھ ہم سب پر اے ارحم الراحمین

حضرت طاؤس، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے: محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ قبول فرما اور ان کے مقامِ رفیع کو بلند فرما، اور اُن کا مقصد دنیا اور آخرت میں پورا فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی مُراد پوری کی۔

حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح دُعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ افضل ترین مراد عطا فرما جو آپ نے تجھ سے اپنے لیے مانگی اور وہ افضل ترین مدعا عطا فرما جو کسی مخلوق نے اُن کے لیے تجھ سے مانگا اور وہ اعلیٰ ترین عزت و شرافت عطا فرما جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک تجھ سے مانگی جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو بہترین الفاظ میں درود بھیجو، تمہیں کیا معلوم؟ ہو سکتا ہے کہ وہ درود شریف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا جائے ـــــ یہ اسماعیل قاضی کی روایت ہے، فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سیّدنا کے استعمال کے مزید دلائل

کتاب المہمات میں ہے کہ امام عز بن عبد السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف پیش کرتے ہوئے سیدنا کا اضافہ افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ طریقِ ادب کا اختیار کرنا مستحب ہے جیسے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ وہ مصلّٰی پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے طور پر پیچھے ہٹ گئے اور حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لفظِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ہمیں درود شریف کا طریقہ بتایا اور فرمایا: کہو
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ...... تو ہم پر لازم ہے کہ اس طرح کہیں
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ...... فقہاء شافعیہ میں سے
امام الحرمین نے فتویٰ دیا کہ نماز کے ہر تشہد میں درود شریف میں سیدنا کا اضافہ کیا جائے۔

امام جلال الدین محلّی سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ" "تم اس طرح نماز پڑھا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"، ہمارے لیے سیدنا کا اضافہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی مخالفت کیونکر جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس جگہ دو قاعدے ہیں: (۱) حکم کی تعمیل (۲) التزامِ ادب۔ اور ادب کا التزام راجح ہے۔ امام عزالدین بن عبدالسلام فقہاء مالکیہ میں سے ہیں۔

بہت سے فقہاء نے یہ تصریح کی کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم شریف کے ساتھ لفظ سیدنا نہ لایا جائے، اسے سخت سزا دی جائے جیسے کہ علمی نے نوازل میں بیان کیا، اسی لیے جب امام ابن عبدالسلام کے سامنے ایک طالب علم کا مقدمہ پیش ہوا جس نے کہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف پیش کرتے ہوئے سیدنا کا اضافہ نہ کیا جائے۔ تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اسے سزا دی جائے اور قید کیا جائے۔ وہ طالب علم روپوش ہو گیا، پھر کسی کی سفارش پر اسے معاف کر دیا، جیسے کہ صاحب المعیار کی کتاب اکمال الاکمال میں ہے۔

بدائع الفوائد میں ہے کہ جب امام مالک سے سیدنا کے اضافہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا: میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو انصار کو فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تو سید السادات ہیں اور افضل البشر ہیں۔ آپ کے لیے سیدنا کا استعمال کیوں جائز نہ ہو گا؟

فقہ شافعیہ کی کتاب منہاج میں ہے افضل یہ ہے کہ لفظ سیدنا لایا جائے جیسے کہ ابن ظہیرہ اور علامہ محلی نے فرمایا، منہاج کی شرح علامہ شمس الدین رملی نے لکھی، علامہ علی شبراملسی اس کے حاشیہ میں قول مذکور کے تحت فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف مذکور ہوگا، وہاں سیدنا کا اضافہ کیا جائے اور یہ ادب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی ملحوظ رکھا جائے اور وصال کے بعد بھی۔

امام مالک نے خلیفۂ عباسی ابو جعفر منصور سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام وصال کے بعد بھی اسی طرح ہے جس طرح حیاتِ طیبہ ظاہرہ میں تھا۔

علامہ تقی الدین سبکی اپنی تصنیف تنزیل السکینۃ علیٰ قنادل المدینہ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجدِ نبوی شریف میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ مسجدِ حرام میں ممانعت نہیں فرماتے تھے اور ایسا محض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریبی گھروں میں میخ ٹھکنے کی آواز سنتیں، تو فرماتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس شخص کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے جس کا نام آپ کے اسمِ مبارک کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ حافظ سیوطی، جامع صغیر میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو، اسے محفل میں جگہ دو اور اُسے چہرے کی بدصورتی کی بد دُعا نہ دو، اسی طرح حاکم اور بزار نے قوی سندوں کے ساتھ دیگر روایات بیان کی ہیں۔

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی تعظیم کا حکم دیا ہے جس کا نام آپ کے اسم شریف سے رکھا گیا تو خود اس نام مبارک والی ہستی، نبیِ رحمت، شفیع الخلق اور حبیب حق تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی کتنی تعظیم و توقیر لازم ہوگی؟

پانچویں فصل

مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق

چند شبہات کا ازالہ

صلوٰۃ الفاتح

اس سے پہلے ہم درود شریف کے صیغوں میں وہ دُرود شریف نقل کر چکے ہیں جو سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں ہے : اے اللہ! اپنی اشرف ترین رحمتیں روز افزوں برکتیں اور کمال لطف وکرم نازل فرما، اپنے عبدِ مکرم اور رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بند دروازوں کے کھولنے والے، انبیاء سابقین کے خاتم، حق کا واشگاف اعلان کرنے والے اور باطل کے لشکروں کو شکستِ فاش دینے والے ہیں۔

سید علوی مالکی نے اس درود شریف کی شرح کی اور اس کا عنوان صلاۃ الفاتح قرار دیا۔ شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب حوار مع المالکی کے صفحہ ۱۹ پھر صفحہ ۲۹ میں شیخ علوی پر حملہ کیا، اس دُرود پاک کا نام صلوٰۃ الفاتح المغلق (کھولنے والے اور بند کرنے والے کا دُرود) قرار دیا اور اسے ان شرکیات، کفریات، منکرات اور ضلالات میں سے شمار کیا جن کے سید علوی مرتکب ہیں ——— کیا شیخ ابن منیع اپنی جہالت کا اظہار کر رہے ہیں یا وہ واقعی جاہل ہیں، کیا انہیں معلوم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمِ ارواح میں تخلیق کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام سے پہلے اور عالمِ اجسام میں مبعوث ہونے کے لحاظ سے سب سے آخر ہیں ابن منیع کے استہزاء کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتح مغلق ہوئے جبکہ

محبین اور جمہورِ امت کے مطابق آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی۔ سنن ترمذی وغیرہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! مَتیٰ وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ؟ آپ کو نبوت کب ملی؟ اور ایک روایت میں ہے: مَتیٰ اُسْتُنْبِئْتَ؟ آپ کب نبی بنائے گئے؟ اور ایک روایت میں ہے: مَتیٰ کُنْتَ نَبِیًّا؟ آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے

شاید کہ ابن منیع کو اس درود شریف کی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت کا علم ہی نہیں یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو صحابی کے عمل کو اپنانے کے قائل نہیں اور نہ ہی اسے حجت مانتے ہیں۔ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی نے اپنی تصنیف افضل الصلوات ص ۱۳۷ میں یہ درود شریف جن الفاظ میں نقل کیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اللہ! رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرما، ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بند دروازوں کے کھولنے والے اور خاتم انبیاء، حق کی صحیح امداد کرنے والے اور تیرے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قدر و منزلت اور مقامِ عظیم کے لائق، آپ پر اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر رحمت نازل فرمائے۔

مشائخ نیجانیہ صوفیہ کا اس درود شریف سے خاص تعلق ہے اور یہ ان کے مشہور اوراد کی اہم جزو ہے۔ علامہ نبہانی نے اسے علامہ محمد شمس الدین بکری کی طرف منسوب قرار دیا ہے جن کا نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، علامہ نبہانی کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ درود شریف علامہ شہاب الدین قسطلانی کی تصنیف مسالک الحنفاء فی الصلاۃ علی النبی المصطفیٰ میں دیکھا ہے اور اس سے پہلے یہ عبارت مندرج ہے:

یہ رحمانی کلمات اور صمدانی عوارف، قطب دائرۃ الوجود، بدر اساتذۃ الشہود

تاج العارفین، سیدنا واستاذنا ومولانا محمد بن ابی الحسن البکری کے ہیں ۔
اللہ تعالیٰ ان دونوں کی رُوحوں کو نعمت وراحت سے نوازے، ان کی قبروں کو منور
کرے، ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دُنیا وآخرت میں ان کی برکتوں سے نوازے، آمین!

(افضل الصلوات ص ۱۴۱)

شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب حوار مع المالکی کے صفحہ ۸۱ پر شیخ بکری پر بھی حملہ کیا ہے۔
ابن منیع، علامہ قسطلانی کے اس قول کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا اسلام بدل گیا ہے؟ یا
قسطلانی بدل گئے ہیں؟ یا ابن منیع اور ان کے رفقاء کے اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرنے کے پیمانے
بدل گئے ہیں؟ پرانا مقولہ ہے جو شخص کہتا ہے کہ سب لوگ ہلاک ہو گئے، تو وہ خود ہلاکت میں واقع ہو گیا۔

ہر شے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلّق ہے

معروف صلوٰۃ، صلوٰۃ مشیشیہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس
کے بارے میں ہے کہ ہر شے آپ سے متعلق ہے، کیونکہ جو چیز محتاج واسطہ ہے، واسطہ نہ ہوگا
تو وہ کیسے رہے گی؟" بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ جملہ نہیں آسکا جیسے کہ ابن منیع کی کتاب حوار کے
ص ۷۱ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے اس سے ایسے امور کشید کئے ہیں جو نہ تو مقصود ہیں اور
نہ مراد، اور وہ کبھی بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آسکتے جو اللہ تعالیٰ لاشریک، یکتا،
بے نیاز، پر ایمان رکھتا ہے، وہ ذات جس کی نہ تو اولاد ہے اور نہ کائنات میں اس کا کوئی شریک
ہے۔ اگر تم اس جملہ کے مطلب پر غور کرو، تو تمہیں معاملہ آسان اور سہل دکھائی دے گا اور معلوم
ہو جائے گا کہ یہ مسئلہ، دائرۂ توحید سے خارج نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اشیاء
جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی نہیں ہو سکتی، وہ اس وقت تک مقبول اور معتبر نہیں،
جب تک شارع علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے سے حاصل نہ ہوں۔
اہلِ علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کوئی بھی عمل اسی وقت مقبول ہوگا جبکہ وہ صحیح اور اخلاص پر مبنی

ہو اور کوئی بھی عمل اسی وقت ہی صحیح ہوگا، جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ہر وہ عمل جو ہمارے طریقے کے خلاف ہو، وہ مردود ہے (مسلم شریف)

جب تمام اعمال کی صحت کا معیار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے سے ماخوذ اور آپ کے نزدیک پسندیدہ ہوں، کیا کسی چیز کی قدر و قیمت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا اور اس کی سب چیزیں ملعون ہیں، ماسوا اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس سے تعلق رکھنے والی اشیاء، اور عالم و متعلم کے۔ یہ حدیث امام ترمذی، ابن ماجہ اور امام بیہقی نے روایت کی اور امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اسی وقت صحیح ہوگا، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے سے ماخوذ ہو، لہذا اللہ تعالیٰ کا ذکر آپ سے متعلق ہوا، اور علم اسی وقت صحیح ہوگا، جب آپ کے ذریعے سے ماخوذ ہو تو علم بھی آپ سے متعلق ہوا، اسی طرح ہر شے آپ سے متعلق ہوتی۔

اس درود شریف میں یہ الفاظ ہیں: اِذْ لَوْلَا الْوَاسِطَةُ لَذَهَبَ كَمَا قِيْلَ الْمَوْسُوْطُ۔" صاحب عقل اگر اس کے معنی میں غور کرے، تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ الفاظ حقائق توحید میں سے اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں جس میں کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا اور وہ حقیقت شریعت کی ایسی بنیاد ہے جس کے لیے کتابیں اتاری گئیں ——— اور رسولان گرامی بھیجے گئے۔

رسولان گرامی، واسطہ ہیں اور محتاج واسطہ، امتیں ہیں، اگر رسولان عظام نہ ہوتے، تو ہم ہلاک ہو جاتے، گمراہ ہو جاتے اور ضلالت کے گڑھوں میں گر جاتے، لَذَهَبَ الْمَوْسُوْطُ کا یہی مطلب ہے کہ واسطے کے محتاج ہلاک ہو جاتے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (آل عمران ۳، ۱۰۳)

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، تو تمہیں اس سے بچا لیا۔ اور یہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانا چاہتا ہوں اور تم مجھ پر غالب آ کر آگ میں گرنا چاہتے ہو (بخاری شریف)

باعثِ حلِّ مشکلات

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً وَّسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِيْ تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَتُقْضٰى بِهِ الْحَوَائِجُ وَتُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَحُسْنُ الْخَوَاتِمِ وَيُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّنَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

اے اللہ! کامل رحمت اور مکمل سلامتی، ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرما، جن کے طفیل گرہیں کھل جائیں، غم دُور ہو جائیں، حاجتیں بر آئیں، تمنائیں پوری ہوں، حُسنِ خاتمہ میسّر ہو اور جن کے دل نواز چہرے کے وسیلے سے بارانِ رحمت کی دعائیں مانگی جائیں، اور ان کی آل اور اصحاب کرام پر، ہر آن اور ہر لمحے، تیرے معلومات کی تعداد میں۔

درود شریف کے یہ کلمات پہلے بزرگوں اور موجودہ زمانے کے لوگوں میں مشہور و معروف ہیں اور بہت سے مطالب و مقاصد کے حصول کے لئے مجرّب ہیں، بعض لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت گرہیں کیونکر کھل سکتی ہیں اور غم کیسے دور ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ غم و آلام اللہ تعالیٰ کی عنایت سے دُور ہوتے ہیں، وہی غم و آلام دُور کرنے والا ہے، اور وہی حاجتوں کا بر لانے والا ہے۔

لیکن یہ کوئی لاینحل اعتراض نہیں ہے، معمولی علم رکھنے والا اس کا جواب دے سکتا ہے اور وہ یہ کہ حاجتوں کا بر لانا اور غموں کا دُور کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہی درحقیقت فاعل ہے، اس میں کسی کافر یا جاہل ہی کو شک ہو سکتا ہے۔ ان افعال کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

طرف، مجازاً ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ عوام الناس بلکہ جاہلوں کے نزدیک بھی یہ طریقہ جاری ہے، باوجودیکہ وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس پر کامل یقین رکھتے ہیں، کیونکہ ہم میں سے کوئی شخص جب کہتا ہے کہ فلاں نے میرا غم دور کر دیا۔ فلاں نے میری لغزش معاف کر دی، فلاں نے میری مشقت دور کر دی اور میری حاجت پوری کر دی، تو ان میں سے بڑے سے بڑے جاہل کے دل میں ادنیٰ درجے کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ فلاں شخص فاعل مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل نہیں ہے۔ جب ہم اپنی عام گفتگو اور باہمی معاملات میں اس قسم کے کلمات کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں، تو یہ طریقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اولیاء کرام کے بارے میں کیوں جائز نہیں؟ صحابۂ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت اور استغاثہ کرتے تھے، آپ سے شفاعت کی درخواست کرتے تھے، آپ کی بارگاہ میں فقر، مرض، مصیبت، قرض اور بے بسی وغیرہ حالات کی شکایت پیش کرتے تھے اور دیگر مصائب میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سے درخواست کرتے تھے۔

ایک نابینا صحابی، بینائی کے واپس مل جانے کی درخواست کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کی آنکھ درست ہو جائے۔

یہ صحابہ کرام ہیں جو بارش طلب کرتے ہیں

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مشہور قصیدہ میں عرض کرتے ہیں:
یا رسول اللہ! مخلوقات میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے، آپ اُن کے رُکنِ اعظم ہیں، پناہ لینے والوں کی جائے پناہ، امان چاہنے والوں کے مَامَن، قصداً حاضر ہونے والوں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔ آپ کی ذاتِ اقدس وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے لیے منتخب فرما لیا اور طیب و طاہر اخلاق عطا فرمائے، وہ عرض کرتے ہیں ؎

یَا رُکْنَ مُعْتَمِدٍ وَعِصْمَۃَ لَائِذٍ
وَمَلَاذَ مُنْتَجِعٍ وَجَارَ مُجَاوِرٍ

يَا مَنْ تَخَيَّرَهُ الْإِلٰهُ لِحَقِّهٖ
فَحَبَاهُ بِالْخُلُقِ الزَّكِيِّ الطَّاهِرِ

ان اشعار کا ملخص ترجمہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعائے مغفرت کرنے والوں اور مسجدوں کے آباد کرنے والوں کے طفیل زمین والوں سے عذاب دفع فرما دیتا ہے، انہیں رزق دیتا ہے، فتح و نصرت عطا فرماتا ہے اور ان سے بلاء اور غرق کی مصیبتیں دور فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ مخلوقات کو رزق عطا فرماتا ہے، زمین کی حفاظت فرماتا ہے، لوگوں کو بارش عطا کی جاتی ہے اور وہ ایسی جائے امن ہیں کہ لوگ اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیتے ہیں اور ان سے لطف و کرم کی درخواست کرتے ہیں، کیونکہ وہ پیکر لطف و کرم ہیں۔ یہ سب اس مکمل یقین کے ساتھ ہے کہ رزق، نصرت، بارش، مصائب کا دفع کرنا اور ازالہ اور نفع و ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

امام بیہقی، شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں چاہتا ہوں کہ زمین والوں کو عذاب دوں، لیکن مسجدوں کے آباد کرنے والوں، میری رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں اور سحری کے اوقات میں مغفرت کی دعا کرنے والوں کو دیکھتے ہوئے ان سے عذاب پھیر دیتا ہوں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر دن ستائیس مرتبہ، ایماندار مردوں اور عورتوں کی مغفرت کی دعا کرے، وہ ان لوگوں میں سے ہوگا، جن کی دعا قبول کی جاتی ہے اور جن کی بدولت زمین والوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث امام طبرانی نے روایت کی اور حسن ہے جیسے کہ

الجامع میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے قدم بقدم چلنے والوں سے زمین کبھی خالی نہیں ہوگی، ان کی بدولت تمہیں بارش دی جائے گی اور انہی کے طفیل تمہیں فتح و نصرت عطا کی جائے گی، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر فرما دیتا ہے۔ یہ حدیث امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی، اس کی سند حسن ہے جیسے کہ مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۶۲ میں ہے۔

کیا شیخ ابن منیع کفر و شرک کا فتویٰ صادر کرنے سے پہلے ان روایات سے باخبر نہیں ہے؟

اسی طرح یہ معلوم اور ثابت ہے کہ سید اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوح انور تمام انسانی روحوں سے پہلے پیدا کی گئی جیسے کہ آپ نے ارشاد فرمایا، مجھے تمام انسانی روحوں سے پہلے پیدا کیا گیا اور ان سے آخر میں بھیجا گیا" یہ حدیث ابن سعد نے سند صحیح سے مرسلاً روایت کی۔ ابونعیم ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں، ابن لال اور دیلمی ان تمام حضرات نے سعید بن بشیر سے انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے حضرت حسن بصری سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی "میں تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت میں ان سب سے آخر ہوں۔" (ترجمہ)

یہ روایت ابن سعد کی روایت کی تفسیر کر رہی ہے کہ انسانوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم ارواح میں تمام انبیاء سے پہلے اور عالم اجسام میں سب کے خاتم ہیں، عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء سے پہلے آپ کو نبوت عطا فرمائی عالم ارواح میں آپ ہی سے باب نبوت کھولا گیا اور آپ ہی پر عالم اجسام میں نبوت ختم کی گئی، پس آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی۔

امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا

یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا: جس وقت کہ آدم علیہ السلام ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔ یہ حدیث امام ابونعیم، بیہقی اور حاکم نے روایت کی اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بزار، طبرانی اور ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث روایت کی۔

حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا: میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث امام احمد، امام بخاری نے تاریخ میں، امام طبرانی اور حاکم نے روایت کی، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ ہیثمی نے فرمایا کہ امام احمد اور طبرانی کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

وحدت اور توحید

اس سے پہلے ہم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد والے حضرات سے درود شریف کے مروی کلمات نقل کر چکے ہیں۔ ان کی اولاد امجاد میں سے شیخ الاسلام عبدالسلام بن بشیش (یہ لفظ بشاشت سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے مسکراتا ہوا چہرہ) ابن منصور بن ابراہیم الحسنی الادریسی جو اولادِ سیدنا ادریس ابن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہیں، انہوں نے درود شریف کے لیے چند نئے کلمات ترتیب دیئے ہیں، اُن میں یہ کلمات بھی ہیں:

اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ بِیْ عَلَی الْبَاطِلِ فَاَدْمَغْہُ وَزُجَّ بِیْ فِیْ بِحَارِ الْاَحَدِیَّۃِ وَانْشُلْنِیْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِیْدِ

اے اللہ! مجھے باطل پر پھینک کر اسے پارہ پارہ کر دے، مجھے احدیت کے دریاؤں میں غوطہ زن فرما اور مجھے توحید کے کیچڑوں (یعنی توحید سے متعلق

غلط عقائد) سے رہائی عطا فرما۔ (تفصیلی مطلب آئندہ سطور میں ملاحظہ ہو)

جن لوگوں کا وطیرہ ہی یہ ہے کہ اچھے عقائد پر تنقید کرتے ہیں اور بدگمانی ان کی رگ وپے میں سرایت کر گئی ہے۔ انہوں نے معنی اور مطلب جاننے کے لیے غور وفکر کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور اپنی ہمیشہ کی عادت کے مطابق فوراً بدعت، کفر اور شرک کا فتویٰ جڑ دیا۔

اگرچہ ہمارے نزدیک حضرت امام سید احمد رفاعی قدس سرہٗ کی رائے راجح ہے، وہ اپنی مشہور کتاب البرہان المؤید ص ۸۵ میں بعض ایسے اقوال پر جن کی تاویل ضروری ہے، گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں خبردار! تم ان اقوال کا عقیدہ نہ رکھنا، ہمارے لیے سیدنا شیخ کے بارے میں حسن ظن لازم ہے، لیکن دین کا ادب واحترام اس سے زیادہ لازم ہے ـــــ لیکن ہم علماء اور مشائخ کی توجہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (الحجرات ۴۹، ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ ہیں

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تو اپنے بھائی کے لیے ستر عذر تلاش کر،

ہم اس عبارت (وَزُجَّ بِیْ فِیْ بِحَارِ الْاَحَدِیَّۃِ وَانْشُلْنِیْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِیْدِ)، کے معنی کی کسی قدر تفصیل بیان کرتے ہیں، کیونکہ بعض لوگ اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔

لغت میں توحید کا معنیٰ ہے کسی چیز کے بارے میں حکم کرنا اور جاننا کہ وہ ایک ہے، شرعاً توحید کا معنی ہے، صرف ایک ذات کی عبادت کرنا اور ذات وصفات اور افعال میں اس کے ایک ہونے کی تصدیق کرنا اور اس کا عقیدہ رکھنا۔ صوفیاء اہل حقیقت کی اصطلاح میں توحید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو ہر اس چیز سے ماوراء ماننا جو ہماری عقلوں میں آسکے اور ذہنوں اور وہموں میں سما سکے ـــــ ابن منیع نے اپنی کتاب حوار کے صفحہ ۷ پر اس

عبارت کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں واضح فرمادیا کہ وہ احد ہے (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) یعنی وہ یکتا ہے، نہ تو اس سے پہلے کوئی تھا، نہ اس کے ساتھ کوئی ہے اور نہ ہی اس کے بعد کوئی ہوگا اور نہ ہی اس جیسا کوئی ہے ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے ۔

صاحبِ ورد (شیخ عبدالسلام) اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ انہیں احدیت یعنی توحید کے جلال وجمال اور کمال کی صحیح معرفت کے ساتھ موصوف فرما اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ انہیں ذاتِ مقدسہ کی احدیت اور وحدانیت کے مشاہدے میں غلو، استغراق، غلط خیالات اور بیہودہ گوئی سے محفوظ ومامون فرما۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کی وحدت اور اتحاد کا قول کرنا وغیر ذٰلک ۔ جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے، گمراہی کی وادی میں جا گرے اور بیہودہ گوئی پر اتر آئے ۔ حضرت شیخ سید احمد رفاعی اپنی مشہور کتاب البرہان المؤید میں فرماتے ہیں کہ توحید کہتے ہیں دل میں ایسی تعظیم محسوس کرنا جو تعطیل اور تشبیہ دونوں سے منع کرے۔

صاحبِ ورد (شیخ عبدالسلام) توحید کے صراطِ مستقیم سے بھٹکنے والوں اور بیہودہ گوئی کرنے والوں کے کیچڑ میں سرگرداں ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ البرہان المؤید میں امام رفاعی کے قول کے مطابق وہاں نہ اتصال ہے نہ انفصال، نہ حلول ہے نہ انتقال، نہ حرکت ہے نہ زوال، وہاں نہ محاورت اور نہ محاذات اور مقابلہ، مماثلت، مجانست اور مشاکلت بھی نہیں ہے، وہ نہ جسم ہے، نہ تصور میں آئے اور نہ منفعل ہو، وہ حدوث اور تغیر سے پاک ہے

امام رفاعی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ ۲۰، ۵) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: استواء معلوم ہے اور کیفیت نامعلوم، اس پر ایمان لانا واجب، اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے ۔ میری رائے میں تو بدعتی ہے، پھر فرمایا کہ اسے

باہر نکال دو۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: میرا اس پر ایمان ہے۔ بغیر کسی تشبیہ کے اور میں بلا تمثیل تصدیق کرتا ہوں اور میرا علم قاصر ہے اور میں اس میں غور کرنے سے مکمل اجتناب کرتا ہوں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا زمین میں، وہ کافر ہے، کیونکہ اس قول سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کا وہم بھی کرے وہ مشبہ (تشبیہ کا قائل) ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استواء کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا، اللہ تعالیٰ صفت استواء کے ساتھ موصوف ہے جیسے اُس نے خبر دی، انسانی تصور کے مطابق نہیں۔ امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، جو شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے میں ہے یا کسی شے سے ہے یا کسی شے پر ہے، اس نے شرک کیا، کیونکہ اگر وہ کسی شے پر ہو تو وہ اس پر سوار ہوگا، اگر کسی شے میں ہو تو اس میں محدود ہوگا اور اگر کسی شے سے ہو تو حادث ہوگا (اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ ان تمام امور سے پاک ہے)

چھٹی فصل

تبرک، شرک اور بدعت نہیں ہے

وہ درخت جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی

شیخ سید محمد علوی مالکی نے فرمایا: جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لیے کٹوا دیا تھا کہ صحابۂ کرام میں اس کی تعیین کے بارے میں اختلاف واقع ہو گیا تھا، لہٰذا ممکن تھا کہ بیعتِ رضوان کسی ایسے درخت کی طرف منسوب کر دی جاتی جس کے نیچے بیعت نہیں ہوئی تھی۔ شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب کے ص ۲۳ پر سید محمد علوی کی اس رائے پر بھی اعتراض کیا ہے۔

وہ درخت کیوں کاٹا گیا؟

یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درخت کو اس لیے کٹوا دیا تھا کہ شرک جو اس سے پہلے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں یا ان کے قریب رہ چکا تھا، راہ نہ پا سکے، برکت کے حصول سے منع کرنے کے لیے ہرگز نہ تھا۔[1] شرک اور تبرک

[1] قابلِ غور یہ امر ہے کہ جہاں مقام ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں، اسے مصلّٰی بنانے کا مشورہ دینے والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت کرنے پر آیتِ رضوان نازل ہوئی اسے شرک کے خطرے کے پیش نظر کٹوا دیں۔ دراصل وہ درخت متعین طور پر معلوم ہی نہ رہا تھا جیسا کہ بخاری شریف کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگ غلط فہمی میں پڑ جاتے ہو سکتا ہے کہ اس غلط فہمی کے دور کرنے کے لیے کٹوا دیا ہو۔ ۱۲ شرف قادری

کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تبرک، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی قدرت پر ایمان کو پختہ کرتا ہے اور اعمالِ صالحہ کے آثار کے باقی اور جاری رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل، سدِّ ذرائع کے لیے محض اجتہاد پر مبنی تھا۔ شریعتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حکم نہ تھا۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل سے تو استدلال کرتے ہیں، مگر بیس تراویح کے مسئلے میں اُن کی مخالفت کرتے ہیں اور آٹھ تراویح پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے پیشِ نظر دین کی پیروی نہیں، بلکہ ان کے سروں پر عامۃ المسلمین کی مخالفت کا بھوت سوار ہے۔

مقاماتِ مقدسہ کا قصد کرنا

بابرکت مقامات اور آثار کا قصد کرنا جہاں دُعا اور توسل کے مقبول ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے، مثلاً مساجد اور مزارات، شریعت کا حکم منصوص ہے۔ حدیث کی کتابوں کے ابواب الدعا سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات اور زمانوں کی تقدیس و طہارت اور گناہوں کی میل کچیل سے پاک صاف ہونے کے سبب وہاں دُعا کے مقبول ہونے کی زیادہ اُمید ہوتی ہے۔ کتب حدیث و سیرت سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج، بیت المقدس جاتے ہوئے بُراق سے اُتر کر متعدد مقامات پر نماز ادا کی، مثلاً طورِ سینا، اور مولدِ عیسیٰ علیہ السلام پھر حج کے دوران دعا اور عبادت کے لیے معین مقامات کا اختیار کرنا اس دعوے کی بڑی دلیل ہے۔ اس حدیث سے بھی تائید ملتی ہے جس میں تین مسجدوں کی طرف شدِ رحال (سازوسامان کے ساتھ سفر کی تیاری) کا ذکر ہے، ثابت ہوا کہ بابرکت مقامات اور آثار کی زیارت اور دُعا کے لیے قصد کرنا مستحب ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجدِ قبا، فلاں جگہ بھی ہوتی تو ہم وہاں بھی جاتے۔

آثارِ صالحین سے تبرک

اولیاء کرام کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ حافظ عراقی فتح المتعال میں اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کو بطورِ تبرک بوسہ دینے کو جائز قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابن تیمیہ نے یہ روایت دیکھی، تو تعجب کیا۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ بلکہ ہمیں تو یہاں تک روایت پہنچی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے وہ پانی بطورِ تبرک پیا جس میں امام شافعی کی قمیص دھوئی گئی۔ خود ابن تیمیہ راوی ہیں کہ امام احمد نے امام شافعی کے تبرکات سے برکت حاصل کی۔

امام محدث حافظ ضیاء مقدسی، الحکایات المنثورۃ میں فرماتے ہیں کہ حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی کے پھوڑا نکل آیا۔ جب علاج معالجہ سے مایوس ہوگئے تو برکت کے حصول کے لیے امام احمد بن حنبل کی قبر سے ملا، تو وہ پھوڑا درست ہوگیا۔

خطیب بغدادی کی تاریخ میں ہے کہ امام شافعی، عراق میں قیام کے دوران امام ابوحنیفہ کے مزار کی زیارت سے برکت حاصل کیا کرتے تھے جیسے کہ امام شافعی سے ثابت ہے کہ وہ امام احمد کی قمیص کے دھوون سے برکت حاصل کیا کرتے تھے، وہ پانی لے کر اپنے چہرے اور دیگر اعضاء پر ملا کرتے تھے، جیسے کہ اصحاب الطبقات وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔

سیرت کی صحیح کتابوں میں ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال مبارک تھے، وہ ان سے برکت حاصل کیا کرتے تھے اور ان بالوں کو ساتھ لے کر جس جنگ میں بھی حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت سے نوازا، جیسے کہ امام بیہقی، ابویعلیٰ اور دیگر محدثین نے بیان کیا۔

صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے طیالسی جبہ نکالا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے، ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں اور بیمار اس کی برکت سے شفا پاتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہوتی تو صحابہ کرام روضۂ مبارک کی جانب واقع، منبر شریف کا لٹو، اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے، یعنی تبرک اور توسل کے لیے، پھر قبلہ رُخ ہو کر دعا مانگتے۔

اسی طرح ابن سعد، عبدالرحمٰن بن عبدالقادر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف پر بیٹھنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا پھر اپنے چہرے پر رکھ لیا (یعنی برکت حاصل کرنے کے لیے) جیسے کہ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر شریف کے لٹو پر ہاتھ رکھتے، جہاں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ رکھا کرتے تھے، پھر اپنے چہرے پر پھیر لیتے۔

اسی طرح ثابت ہے کہ جس دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے صحابہ کرام کے سامنے روتے ہوئے حجرۂ نبویہ کی دہلیز پر اپنے رخسار ملے اور کہیں یہ ثابت نہیں کہ کسی صحابی نے ان کے اس فعل پر انکار کیا ہو۔ اسی طرح حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے روضۂ اقدس کی خاکِ پاک سے برکت حاصل کی، ان پر بھی کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں، وضو کے پانی، پس خوردہ، لباس اور چادر کو بطورِ تبرک حاصل کیا اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ حضرت صدیق اکبر اور دوسرے خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل تبرک

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں تو کیا، وصال کے بعد بھی آپ کی ذاتِ اقدس اور آثارِ شریفہ سے برکت حاصل کرنے کے جائز اور مستحب ہونے پر روشن ترین دلیل، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے وصال کے وقت وصیت کی کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بلکہ آپ کے قدموں کے پاس دفن کیا جائے۔

اسی طرح خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باصرار یہی وصیت فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے زخمی ہونے کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو مرتبہ اجازت مانگی کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب دفن کیا جائے۔ ایک دفعہ اپنے بیٹے عبد اللہ کو بھیجا کہ ام المومنین سے عرض کرو کہ امیر المومنین عمر آپ سے اجازت چاہتے ہیں؟ پھر فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا جنازہ ام المومنین کے حجرۂ انور کے پاس لے جانا اور مجھے دروازے کے پاس ٹھہرا کر عرض کرنا کہ عمر اجازت طلب کرتے ہیں، کیونکہ اس وقت میں امیر المومنین نہیں ہوں گا، اگر وہ اجازت دے دیں تو فبہا، ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ذاتِ اقدس سے توسل اور تبرک کا انکار کرنے والے ہمیں بتائیں گے کہ اسلام کے ان دو عظیم رہنماؤں اور پیکرِ رشد و ہدایت خلیفوں کے اصرار کا کیا راز تھا؟ جن کے بارے میں نبی صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یعنی وہ ذاتِ اقدس کہ لَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی جن کی شان ہے، وہ فرماتے ہیں: ان دو ہستیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہیں، یعنی ابوبکر و عمر۔ یہ حدیث امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بخاری

نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے المستدرک میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو، اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے ڈاڑھوں سے پکڑ کر رکھو۔ یہ حدیث امام احمد، اصحابِ سنن (امام ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی۔

کیا سابقہ تفصیل کے بعد بھی ہمارے لیے جائز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثارِ مبارکہ خواہ وہ مسجد شریف میں ہوں، محراب و منبر میں ہوں، روضۂ مبارکہ کی جالیوں میں ہوں یا مسجد سے باہر، سے جو شخص برکت حاصل کرنا چاہے، ہم اسے مشرک قرار دیں، اس پر ڈنڈے برسائیں اور اس کی طرف غیظ و غضب اور گھورتی ہوئی نگاہوں سے دیکھیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد رکھیے؛

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ہ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات کہو۔ (الاحزاب ۳۳، ۷۰)

ساتویں فصل

مسئلۂ توسُّل

میں چاہتا ہوں کہ آئندہ سطور میں، مسئلۂ توسُّل میں، مضبوط دلائلِ شرعیہ پر مبنی، اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بیان کروں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بحث شیخ محمد زکی ابراہیم کی کتاب قضایا الوسیلہ سے نقل کرتا ہوں:

اقسامِ توسُّل

چونکہ نفس توسل بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، اس لیے اس کی قسموں کے بارے میں گفتگو ان اختلافی مسائل سے تعلق رکھتی ہے، جن میں ایمان اور کفر یا توحید اور شرک کا فرق نہیں ہوسکتا، ہاں جائز یا ناجائز، اسی طرح حلال یا حرام ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ توسل کی تین قسموں پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے کی ظاہری حیات میں توسّل، جیسے کہ ایک نابینا صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا، اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

۲۔ زندہ آدمی کے عملِ صالح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل، جیسے کہ حدیث غار میں ہے کہ تین شخص ایک غار میں داخل ہوئے اور ایک بھاری پتھر نے اس غار کا راستہ بند کردیا۔ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ذاتِ اقدس اور اسماء وصفات سے توسل۔

چونکہ یہ تینوں قسمیں بالاتفاق جائز ہیں، لہٰذا ان کے جواز پر دلائل پیش کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔

البتہ کسی مقبولِ بارگاہ ہستی کے وصال کے بعد اس کی ذات سے توسّل میں اختلاف ہے۔ جمہور مسلمانوں، یعنی اہل سنت کے نزدیک جائز ہے، ان کے پاس اس نظریئے پر متعدد نقلی دلائل ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔ ہم اس جگہ ان میں سے نابینا صحابی کی حدیث پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اس مسئلے میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اور وہی زیادہ تر موضوع گفتگو ہوتی ہے۔

توسّل اور حاجت روائی میں نابینا صحابی کی حدیث

امام ترمذی[1] اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک نابینا صحابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میری بینائی زائل ہو گئی ہے، میرے لیے اللہ کی بارگاہ میں دُعا فرمایئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جا کر وضو کر اور دو رکعتیں پڑھ، پھر یوں دُعا مانگ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلٰی رَبِّیْ فِیْ رَدِّ بَصَرِیْ۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی اکرم، نبی رحمت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں، اے اللہ کے حبیب! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی کی واپسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں۔

---

[1] ہمارے پاس ترمذی شریف کے موجودہ نسخوں میں یَا مُحَمَّدُ کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ امام حاکم اور دیگر محدثین کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو، المستدرک (دار الفکر، بیروت) ج ۱، ص ۵۱۹ ۱۲- شرف قادری

ایک روایت میں ہے کہ میری حاجت کے بارے میں شفاعت فرمائیے کہ وہ پوری کی جائے۔ اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما ———— پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو ایسا ہی کرنا، حدیث کی روایات میں الفاظ کا معمولی اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن وہ زیادہ اہم نہیں ہے۔

فقہاء نے اس حدیث سے صلوٰۃ الحاجۃ کا مستحب ہونا ثابت کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو تو وہ یہ نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگے، اس کے علاوہ جو دُعا ذہن میں آئے اور اس کی ضرورت محسوس ہو، مانگے خواہ وہ روایات میں وارد ہو یا نہ۔

زندہ شخصیت سے توسّل کا صحیح ہونا اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہے، البتہ اس کے معنی و مفہوم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس ہستی کا وصال ہو جائے، اس کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے، کیونکہ زندہ یا میت سے توسّل کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے جسم یا اس کی زندگی اور موت سے وسیلہ پکڑا جا رہا ہے، بلکہ وسیلہ اس وصفِ جمیل کی بنا پر پکڑا جاتا ہے جو زندگی اور موت دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اور جس کی بنا پر وہ شخصیت زندگی اور موت دونوں صورتوں میں عزت و کرامت کی مستحق ہے۔ اس کے علاوہ یا محمدؐ غائبانہ ندا کی گئی ہے جس میں زندگی اور وصال برابر ہیں۔ دراصل توسّل اس وصفِ جمیل سے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محترم ہے اور رُوح کو لازم ہے اور اسی وصف کی بنا پر کسی ہستی کی زندگی میں یا وصال کے بعد یکساں طور پر توسل کیا جا سکتا ہے۔

توسّل بعد از وصال

امام طبرانی، معجم صغیر میں حضرت ابو امامہ بن سہل بن حُنیف سے راوی ہیں۔ وہ اپنے چچا حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک شخص کسی مقصد

کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی طرف توجہ دینے اور اس کا مقصد پورا کرنے کا موقع نہیں ملا، وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور شکایت کی (یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے۔ ۱۲ رفاعی)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وہ صحابی ہیں، محدث اور اللہ تعالیٰ کے دین کے عالم ہیں) نے فرمایا، تم وضو کرنے کی جگہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جا کر دو رکعتیں ادا کرو۔ اس کے بعد یہ دعا مانگو، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی، نبیٔ رحمت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری فرمائے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس جگہ اپنی حاجت بیان کرنا، پھر حضرت عثمان غنی کے پاس جانا، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔

اس شخص نے تمام ہدایات پر عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر حاضر ہو گیا، اتنے میں دربان نے آ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عثمان غنی کے پاس لے گیا۔ آپ نے اسے اپنے ساتھ گدّے پر بٹھایا اور فرمایا تمہارا کیا کام ہے؟ اس کے بیان کرنے پر آپ نے وہ کام کر دیا اور فرمایا: مجھے اس وقت تک تمہارا کام یاد ہی نہیں آیا تھا، آئندہ جو حاجت ہو، وہ بیان کر دیا کرو۔

وہ شخص باہر نکلا، تو حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہو گئی، اُس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی سفارش سے پہلے تو امیر المؤمنین میری طرف توجہ ہی نہیں فرماتے تھے اور میری حاجت میں غور ہی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ اصل بات یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ایک نابینا صحابی نے حاضر ہو کر بینائی کے زائل ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: کیا تو صبر کرے گا؟ اس نے عرض کی کہ میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا کوئی نہیں اور میں بہت دشواری میں مبتلا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وضو خانے میں جاکر وضو کر، پھر دو رکعت نماز پڑھ، اس کے بعد یہ دعا مانگ (جو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو بتائی تھی) ابن حنیف فرماتے ہیں بخدا! ہم بیٹھے ہوئے گفتگو کر ہی رہے تھے کہ وہ شخص ہمارے پاس آئے اور بالکل تندرست، گویا انہیں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔

یہ صحابی کی نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے ان کے وصال کے بعد بھی توسل جائز ہے۔ امام بیہقی، منذری اور ہیثمی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

حدیث ضریر کی صحّت کی تحقیق

امام طبرانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عثمان بن عمر، شعبہ سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں غور کیجئے کہ امام طبرانی نے اپنے علم کے مطابق، عثمان بن عمر کے منفرد ہونے کا ذکر کیا ہے، انہیں حضرت شعبہ سے روح بن عبادہ کی روایت نہیں پہنچی حالانکہ وہ بھی سنداً صحیح ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عثمان بن عمر اس کی روایت میں منفرد نہیں ہیں۔

ہم (شیخ رفاعی) کہتے ہیں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عثمان بن عمر، شعبہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اسی طرح ابو جعفر، حضرت عمارہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، تو کیا ہوا؟ یہ دونوں باتفاق محدثین ثقہ اور مستند ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ امام ترمذی کا اس حدیث کو غریب قرار دینا درست نہیں ہے، اگرچہ بہت سی حدیثیں صحیح ہونے کے باوجود غریب ہیں، مثلاً یہ حدیث: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

اس تفصیل سے علمی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث شیخین (امام بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح ہے اس کے باوجود بعض لوگ جن کے سینے مخصوص اغراض کی آماجگاہ ہیں، نابینا صحابی کی حدیث کو امام ترمذی

کی روایت کے مطابق ضعیف قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی غیر معروف ہے، حالانکہ علماء حدیث کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ایک راوی، ایک محدث کے نزدیک مجہول ہو اور دوسرے کے نزدیک معلوم، تو جس کے نزدیک معلوم ہے، اس کا قول راجح ہوگا، تمام اہل علم اور خصوصاً محدثین کے نزدیک مثبت مقدم ہے نفی کرنے والے پر۔

امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حَسَن، صحیح، غریب ہے اور صرف ابو جعفر کی روایت سے معلوم ہے۔ امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا یہ راوی، خُطَمی (خاء کے فتحہ کے ساتھ) کے ماسوا ہیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو جعفر کے امام ترمذی کے نزدیک مجہول ہونے کے باوجود، اس حدیث کے راوی ان کے نزدیک حسن اور صحیح کے راویوں کے درجہ میں مقبول ہیں۔

امام ترمذی سے پہلے محدثین نے تحقیق کی ہے کہ یہ ابو جعفر جو امام ترمذی کے نزدیک مجہول ہیں، وہ خطمی ہی ہیں، ابن ابی خیثمہ نے فرمایا: یہ ابو جعفر جن سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام عمیر بن یزید ہے اور یہ وہی ابو جعفر ہیں، جن سے شعبہ روایت کرتے ہیں پھر انہوں نے حدیث روایت کی بروایت عثمان عن ابی جعفر۔

شیخ ابن تیمیہ، امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بیان کر کے کہتے ہیں کہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ ابو جعفر خطمی ہی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

ہم کہتے ہیں حافظ ابن حجر، تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ یہ ابو جعفر خطمی ہی ہیں اور وہ صادق ہیں اور چھٹے درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب میں فرماتے ہیں کہ یہ خطمی ہی ہیں۔ پھر امام بیہقی نے بروایت حاکم یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے اور اس کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔ حاکم نے یہ حدیث ایسی سند سے روایت کی جو شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہے، حافظ ذہبی نے اسے برقرار رکھا اور شوکانی نے اسے بطور دلیل پیش کیا اور ان دونوں کی شدت سے ہر صاحب علم باخبر ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ سند کے تمام راوی، اکابر ائمہ محدثین مثلاً علامہ ذہبی (جن کا تشدد معروف ہے)، ابن حجر (جن کا حفظ وضبط اور تحقیق میں پایہ معلوم)، حاکم، بیہقی، طبرانی، ابن عبدالبر، شوکانی، یہاں تک کہ ابن تیمیہ کے نزدیک معروف ہیں۔

پھر یہ حدیث امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ابن ماجہ نے سنن میں اور تصریح کی کہ یہ صحیح ہے۔ نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں، ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، منذری نے الترغیب میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، طبرانی نے معجم کبیر میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے روایت کی۔

اس حدیث کے صحیح ہونے کی پندرہ حفاظِ حدیث نے تصریح کی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث، امام بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے، تو اس کے بعد حدیث کے صحیح ہونے میں کسی طعن کرنے والے یا نکتہ چین کے لیے گنجائش نہیں رہ جاتی۔

علاوہ ازیں علم وعقل اور محبت کی رُو سے کسی زندہ یا میت سے توسل کرنا جائز ہے، اس تمام تحقیق کے باوجود اس معاملے میں گنجائش ہے جو چاہے نہ کرے، مگر فتنہ برپا کرنے اور دوسروں کو گناہگار قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا حضرت عباس سے توسّل

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرام نے بارش کی دُعا مانگتے وقت آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کے پیشِ نظر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کر رہی تھی اور اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات

اقدس سے توسل کر رہے تھے، تو دوسری طرف بعض صحابہ، روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے بارش کی دُعا کر رہے تھے۔

ابن ابی شیبہ بسندِ صحیح حضرت مالک الدار سے راوی ہیں جیسے کہ فتح الباری میں ہے امام بخاری نے یہ حدیث تاریخ کبیر میں بیان کی۔ ابن ابی خیثمہ، امام بیہقی، دلائل النبوۃ میں راوی ہیں کہ حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں واقع ہونے والے قحط کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمایئے کہ وہ ہلاکت کے کنارے پہنچ چکی ہے۔ (الیٰ آخر الحدیث)

امام ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں صحابہ کرام کے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسّل کا سبب بیان کیا ہے (اور وہ یہ کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قرابت حاصل ہے) اور سبب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے وصال کے بعد توسّل کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ آپ ہی کی ذاتِ اقدس سے توسل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے بیک وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا، ورنہ کیا سبب تھا کہ انہوں نے دوسرے حضرات کی موجودگی میں حضرت عباس ہی کو منتخب کیا۔ حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کلام بھی اسی پہلو کی تائید کرتا ہے۔

جمہور علماء مسلمین کے موقف کو اس واقعہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اجازت سے روضہ مبارکہ کی چھت میں روشن دان کھولا گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا گیا کہ وہ بندوں پر مہربانی فرمائے جیسے کہ حضرت ابوالجوزاء سے مروی ہے۔ یہ حدیث امام دارمی نے اپنی سُنن میں روایت کی۔ حضرت ملّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس پر تائیدی کلمات تحریر فرمائے۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت سے توسل ایک فرع ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل اصل ہے، اور یہ فرع کسی طرح بھی اصل کے منافی نہیں ہے نہ عقلاً نہ نقلاً۔

علماء اصول اور محبوبانِ الٰہی کا وصال کے بعد توسل

اصولِ دین کے علماء اس میدان میں خصوصیت کے حامل ہیں، ان کی گفتگو کے بعد منکر کی گفتگو کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ انہوں نے مقبولانِ بارگاہ کے وصال کے بعد ان سے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کے پیش رو ہیں، علمی دنیا کے عظیم عالم، امام فخر الدین رازی، مطالب عالیہ میں، امام البیان علامہ سعد الدین تفتازانی شرح المقاصد میں اور امامِ بلاغت علامہ سید شریف جرجانی، حاشیہ مطالع میں، اس مسئلے میں ان حضرات نے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے ہیں اور صاحب مزار اور زائر کے درمیان امداد اور فیضان، اور دُنیا و آخرت میں دونوں کے مقام کے مطابق روحانی تعلق کے فلسفے پر روشنی ڈالی ہے۔

مناسک امامِ احمد میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرنے کے بارے میں ابوبکر مرُوزی کی ایک روایت مذکور ہے۔ نیز ابوالوفاء بن عقیل نے التذکرۃ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے توسل کے طویل کلمات ذکر کیے ہیں جو حنابلہ کے نزدیک رائج ہیں۔ ثابت ہوا کہ اکابرِ حنابلہ کے نزدیک اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام شافعی کا امام ابوحنیفہ سے ان کے وصال کے بعد توسُّل۔ تاریخ خطیب کی ابتدا میں سند صحیح سے مذکور ہے۔[1]

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ (النساء ۴، ۷۸)

اس قوم کو کیا ہے کہ کوئی بات سمجھتی ہی نہیں

---

[1] محمد زکی ابراہیم، شیخ : قضایا الوسیلہ

مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعائے مغفرت

سیّد علوی مالکی نے فرمایا: "نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے بہت سے نبوی فائدے اور بہت سی محمدی امدادیں ہیں۔" ابن منیع اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ محمدی امدادوں سے مالکی کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح سیّد مالکی نے الذخائر المحمدیہ میں صلوٰۃ وسلام کا ایک طریقہ بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: "یا رسول اللہ! میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی درخواست لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔" اس پر بھی ابن منیع نے نکتہ چینی کی ہے۔

ہم آئندہ سطور میں اس اعرابی کا واقعہ بیان کریں گے جس نے اپنے آپ کو گناہ گار تصور کرتے ہوئے روضۂ اطہر پر حاضری دی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی کی دُعا کی۔

ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن جوزی نے مثیر العزام میں اور ابن نجار نے اپنی اپنی سند سے روایت کی۔ محمد بن حرب کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوا۔ زیارت کے بعد میں سامنے ہی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا جیسے آگے آرہا ہے۔

ابوسعید سمعانی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے، اس کے تین روز بعد ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے آپ کو روضۂ مطہرہ پر گرا دیا اور خاکِ انور سر پر ڈالتے ہوئے کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، ہم نے آپ کا فرمان سنا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کیے اور ہم نے آپ سے حاصل کیے، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر نازل کیا اس میں یہ تھا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (النساء ۴، ۶۴)

اور اگر یہ بندے جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے حبیب! تمہارے پاس حاضر ہو جائیں

روضۂ انور سے آواز آئی کہ تیرے گناہ بخش دیئے گئے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف ۷، ۱۸۵)

اس کے بعد یہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟

مسئلہ توسل میں ہمارا عقیدہ

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء حقیقۃً نہ تو فاعل ہیں اور نہ اصحاب قدرت و تصرف، نہ حیاتِ ظاہری میں اور نہ وصال کے بعد کیونکہ ان کی صفت تو امکان اور فنا ہے (فاعلِ حقیقی اور موجد اللہ تعالیٰ ہے) اور اگر یہ توسل، شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ ہو جیسے کہ منکر کا گمان ہے، تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور اولیاء کرام کی کی زندگی میں بھی توسل اور دعاء کے طلب کرنے سے منع کرے کیونکہ شرک ہر وقت اور ہر حال میں ممنوع ہے) حالانکہ یہ ممنوع نہیں، بلکہ مستحب اور دین میں مستحسن ہے اور منکر کا گمان یہ ہو کہ یہ حضرات اس عزت و کرامت سے معزول کر دیئے گئے ہیں جو انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی، تو اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے، ہاں جو اصحابِ قبور، آفت اور عذاب میں مبتلا ہوں، وہ بیشک متوسل کی طرف توجہ نہیں دے سکیں گے، لیکن یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں ہے کہ معاذ اللہ! ہر صاحبِ قبر مبتلائے عذاب ہو، اور جس پر یہ حال طاری ہو اس پر قیامت تک طاری ہی رہے گا، اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر صاحبِ قبر سے توسل کیا جاسکتا ہے، اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے)

ہاں اگر زیارت کرنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ اہلِ قبور، مستقل طور پر قادر اور متصرف ہیں اور انہیں بارگاہِ الٰہی کی طرف توجہ اور التجاء کی ضرورت نہیں ہے، جیسے کہ بعض جاہل اور غافل عوام سمجھتے ہیں اور قبروں کو چومتے ہیں اور ان کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں

اور ایسے ہی دیگر امور کا ارتکاب کرتے ہیں[1]، جن سے ممانعت وارد ہے، تو انہیں منع کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرایا جائے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ عوام کے افعال کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے وہ بحث ہی سے خارج ہیں، رہے علماءِ شریعت اور احکامِ دین سے باخبر حضرات تو ان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایسے کام کرتے ہیں۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو عباس کے خلیفۂ ثانی اور عباسی خلفاء کے مورثِ اعلیٰ منصور کو اسی توسّل کا مشورہ دیا تھا۔ منصور جب حج کے بعد روضہ مبارکہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، تو اُس نے مسجد نبوی میں امام مالک سے پوچھا: اے ابو عبداللہ! میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دُعا کروں، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف؟ امام مالک نے فرمایا تو اپنا چہرہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرا اور تیرے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں، تو آپ کی شفاعت کی درخواست کر، اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت تیرے حق میں قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (النساء ۴: ۶۴)

اور اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو تمہارے پاس حاضر ہوں اور اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی مانگیں، تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں گے۔

امام قاضی عیاض نے یہ واقعہ اپنی سند سے الشفاء میں، علامہ سبکی نے شفاء السقام میں، علامہ سمہودی نے خلاصۃ الوفاء میں، علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں، علامہ ابن حجر مکی نے تحفۃ الزوار اور الجوہر المنظم میں اور بہت سے مناسکِ حج لکھنے والوں نے

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ "انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ" میں فرماتے ہیں کہ روضۂ مبارکہ کی جالیوں کو نہ تو ہاتھ لگایا جائے اور نہ ہی بوسہ دیا جائے کہ یہ خلافِ ادب ہے اور "الزبدۃ الزکیۃ" میں فرماتے ہیں کہ قبر کو سجدہ کرنا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ ۱۲ قادری۔

زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بیان کیا (دیکھیے طی السجل تصنیف سید محمد مہدی الرواس الرفاعی)

کیا شیخ ابن منیع اور سعودیہ کے دیگر مشائخ اس فتوے پر اصرار کرتے رہیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ سے شفاعت کی درخواست کرنا اور آپ کی پناہ طلب کرنا شرکِ اکبر کی اقسام میں سے ہے ——— ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے، نیک کام کرنے اور بُرائی سے بچنے کی قوت وطاقت صرف اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی طرف سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل جائز اور صحیح ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی، اسی طرح دیگر انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین سے توسل جائز ہے جیسے کہ احادیثِ سابقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ہم تاثیر، خلق، وجود دینا، معدوم کرنا اور نفع وضرر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی دوسرے زندہ اور میت کے لیے خلق، ایجاد اور تاثیرِ حقیقی کے طور پر نفع وضرر ثابت نہیں کرتے، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم، اسی طرح اولیاء وصالحین سے توسل میں فرق نہیں ہے، خواہ وہ دنیا میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں، کیونکہ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے اور نہ اُن کی کسی چیز میں حقیقی تاثیر ہے، ان سے تو برکت حاصل کی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ہستیاں ہیں، خلق وایجاد اور تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ نیز دُعا کرنے والے کو مکان کی برکت بھی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ علامہ شوکانی نے اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین میں بیان کیا۔

جو لوگ زندوں اور وصال فرمانے والے حضرات میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توسل کی بعض قسمیں زندوں سے جائز ہیں، جو وصال فرما گئے ہیں، ان سے جائز نہیں ——— وہ راہِ راست پر نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے باور کرلیا ہے کہ زندہ حضرات تو مؤثر ہیں، اور جو وفات

پا چکے ہیں، وہ مؤثر نہیں، حالانکہ تاثیرِ ایجادی، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے لیے بالکل ثابت نہیں ہے، لیکن افادہ اور برکتوں کا فیضان اور ان کی ارواح سے مروّج استفادہ اور ان کی روحوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس متوسّل پر فیضانِ رحمت کی درخواست کرنا تو یہ جائز اور واقع ہے اور ہر خلل سے خالی ہے، خواہ وہ حضرات زندہ ہوں یا وصال فرما چکے ہیں۔

منکرین کا شبہہ اگر اس بنا پر ہے کہ اموات کے اجسام منجمد ہیں، ان میں رُوح ہے اور نہ ادراک اور نہ ہی ان میں خطاب کی صلاحیت ہے، تو اس شبہہ میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ انبیاء کرام کے اجسام گلتے نہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے گوشت کا کھانا حرام کر دیا ہے، ان کی رُوحیں باقی و ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے جانتی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں درود پیش کرنے والوں کے درود شریف اور متوسلین کے توسل سے آگاہ فرما دیتا ہے۔ اس مسئلے میں تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ ہر نماز کے تشہد میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں خطاب کیا جاتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُهٗ (نور الاسلام)

جناب شیخ عبد الکریم مدرّس، رئیس جمعیۃ علماء بغداد، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کو مفید بنائے۔ انہوں نے اپنی گراں قدر کتاب نور الاسلام میں بہت عمدہ گفتگو فرمائی ہے، اس سے پہلے اس کتاب کا ذکر کیا جا چکا ہے، وہ فرماتے ہیں، اس جگہ مسلمانوں کی بصیرت میں اضافے کے لیے چند امور لائق توجہ ہیں:

۱- کیا اہلِ قبور، زائر کی شخصیت اور اس کے احوال کو جانتے ہیں؟

۲- کیا اس جگہ پہلے میت کو اور پھر زائر کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟

۳- کیا زائر کے لیے جائز ہے کہ بھلائی کے حصول یا شر کے دفع کرنے کے لیے اصحابِ قبور کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر صاحبِ قبر نبی ہے، تو انہیں علم ہے، کیونکہ یہ

ثابت شدہ امر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور زمین ان کے اجسام مبارکہ کو نہیں کھاتی۔ امام نسائی، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے۔[۱]

یہ حدیث امام ابن ماجہ نے سنن میں بھی روایت کی۔ امام بیہقی، حیاۃ الانبیاء میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ ۝[۲]

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا، اسی طرح یہ حدیث امام ابو یعلیٰ، بزار اور ابن عدی نے روایت کی۔

امام مسلم، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شبِ معراج، سُرخ ٹیلے کے پاس، موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔[۳]

مزید تفصیل کے لیے فتح الباری، ج ۲، ص ۲۶۰ اور امام بیہقی کی تصنیف حیاۃ الانبیاء

صحیح روایت سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے، تم بات کرتے ہو، تمہاری بات کا جواب دیا جاتا ہے، جب میرا وصال ہو گیا تو میری وفات

---

[۱] دیکھئے نسائی شریف ج ۳، ص ۲۔ ۹۱ مسند امام احمد بن حنبل ج ۴، ص ۸، المستدرک ج ۱، ص ۲۷۸، سنن ابن ماجہ حدیث ۱۶۳۷ بروایت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنن ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ ج ۱، ص ۳۵۱، ۱۲ رفاعی [۲] امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ دیکھئے حیاۃ الانبیاء، ص ۴، شوکانی نے اس کی تائید کی ہے، دیکھئے نیل الاوطار ج ۵، ص ۱۰۸، [۳] امام مسلم نے یہ حدیث کتاب الفضائل میں بیان کی، دیکھئے قسطلانی کے حاشیہ پر امام نووی کی شرح مسلم ج ۹، ص ۲۳۱

تمہارے لیے بہتر ہوگی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے، اگر میں اچھے اعمال دیکھوں گا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور برے اعمال دیکھوں گا، تو تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا[1] ——— اور اعمال کی یہ پیشی ہر دن ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے۔ یہ اور اس مسئلہ سے متعلق دیگر احادیث بلاشک وشبہہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی طرح شہداء کرام کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اگرچہ ان کی زندگی، انبیاء کرام کی زندگی سے کم درجہ کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ٥ (البقرہ ۲، ۱۵۴)

جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

مذہب صحیح جس کے اکثر ائمہ قائل ہیں، یہ ہے کہ ثواب وعذاب، جسم وجان کے مجموعے پر ہے، لیکن وہ جسم برزخی ہے۔ یہ محسوس جسم نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان جل جاتا ہے اور اس کی راکھ کے ذرات بکھر جاتے ہیں یا اس کے جسم کے اجزا قبر میں پراگندہ ہو جاتے ہیں، برزخی جسم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ نعمت یا مبتلائے عذاب کی روح کے لیے فرشتوں ایسا ایک جسم پیدا فرما دیتا ہے جس کے لیے چھوٹی اور بڑی جگہ کا کوئی فرق نہیں ہوتا اور اس جسم کے لیے نعمت یا عذاب کے قبول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، جو شخص وحی اور رسالت سے کسی قدر باخبر ہے، اس کے لیے ایسے جسم کا تصور کچھ مشکل نہیں ہے اور جو شخص عالمِ دنیا و آخرت اور اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائب وغرائب میں غور کرے، وہ ایسی اشیاء کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گا، کیونکہ نفس کے مختلف وجود ہیں اور وہ ہر وجود کے تقاضوں

---

[1] یہ حدیث حافظ ہیثمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور فرمایا اسے بزار نے سندِ صحیح سے روایت کیا، دیکھئے مجمع الزوائد ج ۹، ص ۲۴

کے مطابق مختلف صورتیں دیکھتا ہے، جس طرح ہم خواب میں ایسی صورتیں دیکھتے ہیں جو ہمیں بیداری میں دکھائی نہیں دیتیں، اسی طرح جب ہم بدن کی قید سے آزاد ہوں گے تو ہمیں ایسے امور کا مشاہدہ ہوگا، جن کا مشاہدہ ہمیں زندگی میں نہیں ہوتا تھا، اسی طرف یہ قول اشارہ کرتا ہے: لوگ سوئے ہوتے ہیں، جب مر جائیں گے، تو بیدار ہو جائیں گے۔

ہم اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ سعادت مند میت کے لیے قبر اتنی مقدار میں وسیع کر دی جاتی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، اسی طرح ہمیں یقین ہے کہ (بد بخت کی قبر میں) مثلاً سانپ موجود ہے، لیکن ہمیں یہ اشیاء دکھائی نہیں دیتیں، کیونکہ جو چیز عالمِ آخرت سے متعلق ہے، وہ عالمِ ملکوت سے ہے اور یہ آنکھ عالمِ ملکوت سے متعلق اشیاء کے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

شیخ عبد الکریم مدرس اپنی کتاب نور الاسلام کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: یہ (حیاتِ اموات کا عقیدہ) اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (الروم ۳۰، ۵۲) اے حبیب! تم مُردوں کو نہیں سُناتے، کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (الفاطر ۳۵، ۲)

"بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے، اور تم اہلِ قبور کو سنانے والے نہیں ہو"

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نہ سنائے، تو کوئی شخص کسی کو دنیا میں بحالتِ بیداری بھی نہیں سنا سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ اہلِ قبور کو سنا دیتا ہے، ورنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گڑھے میں پڑے ہوئے بدر کے مقتولوں سے کس طرح گفتگو فرمائی؟ اور آپ نے کیسے فرمادیا کہ مُردے ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتے ہیں جو اسے دفن کرنے کے لیے آئے ہیں اور دفن کے بعد مُردوں کو تلقین کرنے کا کیا جواز رہ جائے گا؟

اور اگر منکرین کا شبہہ اس بناء پر ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی تاثیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوسلین کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اہلِ قبور مؤثر اور موجد ہیں، معاذ اللہ! کوئی مسلمان

کسی ایسے عقیدے کے صحیح ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، جو ایمان، اسلام اور توحید کے اصول کے خلاف ہو۔

اور اگر شبہہ اس بنا پر ہے کہ متوسلین سے ایسے کلمات سرزد ہو جاتے ہیں جو خلل سے خالی نہیں ہوتے، تو یہ شبہہ بھی قابلِ قبول نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کی تربیت پر تھوڑی سی توجہ دے کر انہیں ایسے الفاظ کے استعمال سے روکا جا سکتا ہے جو خرابی پر مشتمل ہوں اور عبودیت کے لائق الفاظ کے استعمال پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

جب توسل احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف و خلف سے واقع ہے تو اس سے مطلقاً منع کرنا محض بے دلیل ہے اور توسل کو شرک و کفر قرار دینا، اصولِ اسلام کے صریح خلاف ہے، کیونکہ اصولِ اسلام میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس وقت تک کافر قرار نہ دیا جائے، جب تک کہ اس سے ناقابلِ تاویل کلمہ کفر صادر نہ ہو۔ نیز یہ فتوائے شرک و کفر، امتِ مسلمہ معصومہ کو گمراہ قرار دینا ہے۔ وہ امت جو کفر تو کجا، خطا سے بھی محفوظ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ[1] "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی"۔ یہ حدیث مشہور و معروف ہے جس کے متعلق بعض محدثین نے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بھی خلاف ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، (آل عمران ۳، آیت ۱۱۰) "تم بہترین اُمت ہو، جسے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا"۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ اُمت، بہترین اُمت ہونے کے باوجود، ساری کی ساری یا اس کی اکثریت، گمراہی پر جمع ہو جائے۔

٭ جب ہم روضۂ انور کے سامنے اس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہیں، تو ہمارے اس خطاب کے لیے دین میں بنیاد موجود ہے اور وہ ہے ہر نماز کے تشہد میں اَیُّھَا النَّبِیُّ سے خطاب، اور اس کا مطلب یہ ہے

---

[1] اس حدیث کی تخریج، اس کتاب کے عربی کے نسخے صفحہ ۱۲ پر گزر چکی ہے۔

کہ آپ کی بلند مرتبہ رُوحِ پاک کو اللہ تعالیٰ نے بلند و بالا فضائل عطا فرمائے ہیں، جن کی حقیقت کو وہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو درود شریف پڑھنے والوں کے درود اور حاضرین اور غائبین کے خطاب سے آگاہ فرما دیتا ہے۔

جب ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں اور دُعا کا طلب کرنا بلاشبہ جائز ہے اور آپ کی رُوحِ انور کے لیے عالمِ دنیا اور عالمِ برزخ میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دنیا کی نسبت عالمِ برزخ میں رُوحوں کو زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے۔

اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ، یا آپ کے مقامِ رفیع، یا آپ کے عظیم حق، یعنی آپ کو خالصًا لوجہ اللہ الکریم عبادت کرنے کے سبب، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے جو حق عطا فرمایا، یا آپ کی اطاعت، اعمال اور دین متین کی تبلیغ میں جہاد کی فضیلت سے توسل کریں، تو یہ سب روایاتِ صحیحہ میں واقع ہے جیسے ہم اس سے پہلے توسل کے مختلف طریقوں میں بیان کر چکے ہیں۔

ہمارا مقصد، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرنا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ آپ معظم ترین شفیع ہیں اور بلاشبہ آپ کی شفاعت ثابت اور مقبول ہے اور محض اللہ تعالیٰ کے خالص فضل و کرم اور رحمت سے ہے، کسی کو اس سے روکنے، اس پر پابندی لگانے یا انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔

بعض لوگ اس توسل کو شرک قرار دیتے ہیں، انہیں یہ وہم اس لیے پیدا ہوا کہ وہ شرک کی حقیقت سے بے خبر ہیں، شرک یہ ہے کہ انسان، کسی کو الوہیت، ربوبیت اور تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سمجھے کہ اس غیر کا ان صفات میں سے کسی صفت میں حصہ ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کے ساتھ کیا تعلق؟ آپ کو وسیلہ اس حیثیت سے بنایا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عبدِ مکرم،

نبی اور رسولِ محترم ہیں، اس نے اپنے فضل سے آپ کو عزت و کرامت عطا فرمائی اور آپ کو شفاعت، مقامِ وسیلہ اور مقامِ محمود مرحمت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے بُت پرستوں کا یہ قول نقل فرمایا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر ۳۹، ۳) "ہم بُتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں"۔

یہ اور اس قسم کی آیات کو توسل کے قائل مسلمانوں پر چسپاں کرنا، حق سے چشم پوشی، حقائق سے انحراف اور بُت پرست، جاہل، گمراہ اور اندھی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے والی قومِ مسلم کے برابر قرار دینا ہے، وہ امت جس کی اٹھان ہی ہدایت کی روشن راہ، ملّت اسلامیہ اور دینِ حنیف پر ہوئی، جس کا عقیدہ راسخہ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ہر شے کا خالق اور تمام مکلفین کا معبودِ برحق ہے، جس مسلمان نے قرآن پاک پڑھا اور اس کی تعلیمات کو سمجھا اس کے بارے میں کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان عقائد فاسدہ کا قائل ہوگا؟ جو جاہل بُت پرستوں کے ہیں خصوصاً ان علماء کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف ۱۸، آیت ۱۱۰)

"اے حبیب! تم فرمادو کہ ظاہری صورت میں تو میں تمہاری طرح بشر ہوں، مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا خدا ایک خدا ہے"۔ اور وہ علماء ارشادِ باری تعالیٰ:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۶، ۲۱۴) "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سناؤ" کے نازل ہونے کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس انداز میں اپنے رشتہ داروں کو ڈر سنایا، اُسے جانتے ہیں۔

ذیل میں ائمۂ اعلام کے چند ارشادات، بیان کیے جاتے ہیں، امید ہے کہ ان کا بہت فائدہ ہوگا:

۱۔ امام ابن الحاج مکی، المدخل میں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امت کے مشاہدہ کرنے، ان کے احوال و عزائم، خیالات اور نیتوں کے پہچاننے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور وصال فرمانے میں فرق

نہیں ہے، یہ تمام امور آپ پر بغیر کسی خفا کے واضح ہیں۔

۲۔ قاضی عیاض، پھر ملا علی قاری، پھر علامہ سیوطی کی جامع صغیر کی شرح تیسیر میں علامہ مناوی فرماتے ہیں: جب نفوسِ قدسیہ، جسمانی تعلقات سے آزاد ہو جاتے ہیں تو ملأ اعلیٰ (فرشتوں) کی صف میں داخل ہو جاتے ہیں اور سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں، جیسے سامنے ہو۔

۳۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں: بعض اوقات اہلِ دل، فرشتوں اور ارواحِ انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ امام غزالی کے شاگرد امام قاضی ابوبکر بن عربی مالکی فرماتے ہیں: ایماندار کے لیے کرامت کے طور پر انبیاء اور ملائکہ کی زیارت کرنا اور ان کا کلام سننا ممکن ہے (ابل الحق ــــ للعلامۃ المحدث محمد حافظ تیجانی)

۵۔ علامہ شیخ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس امر کی توثیق کی ہے کہ رُوحوں کی قوت و قدرت کا یہ عالم ہے کہ انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ ایک عظیم رُوح، پورے لشکر پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔

جسم سے جُدا ہونے کے بعد رُوح کی کیفیت

موت کے وقت روح، جسم سے جدا ہو جاتی ہے، لیکن اس کا ادراک باقی رہتا ہے، زیارت کرنے والے کی گفتگو سنتی ہے، اسے پہچانتی ہے، سلام کا جواب دیتی ہے، نعمت کی لذت اور آگ کی اذیت کو محسوس کرتی ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں: احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ میت دنیا میں موجود اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے حال کو جانتا ہے، اس پر احوال پیش کیے جاتے ہیں، جو کچھ اس کے پاس کیا جائے، اسے دیکھتا ہے، اچھے کام سے مسرور ہوتا ہے اور بُرے کاموں سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردے کا پورا اہتمام کر کے تشریف لایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں پہلے میرے والدِ محترم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زوجِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، اب عمرِ فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں اور وہ اجنبی ہیں، مطلب یہ تھا کہ پردہ نہ ہو تو وہ مجھے دیکھیں گے اس لیے پردے کا اہتمام کرتی تھیں۔

یہ بھی مروی ہے کہ اموات، نئے آنے والے سے اپنے رشتہ داروں کا حال پوچھتے ہیں، وہ انہیں بتاتا ہے کہ فلاں کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور فلاں عورت نے شادی کرلی ہے۔ (العقائد الاسلامیۃ ص ۲۳۰۔ از سید سابق)

سوالِ قبر

اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان سے سوال ہوتا ہے خواہ وہ قبر میں دفن کیا جائے یا نہ، اگر اسے درندے کھا جائیں یا جل کر راکھ ہو جائے اور راکھ ہوا میں اڑا دی جائے یا دریا میں ڈوب جائے تو بھی اس سے سوال ہوگا اور اسے اچھے اور برے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی اور نعمت یا عذاب، جسم وجان دونوں پر ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں: امتِ مسلمہ کے سلف صالحین اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو وہ یا تو ناز و نعمت میں ہوتا ہے یا عذاب میں، اور یہ ثواب یا عذاب، روح اور جسم دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ روح جسم سے جدا ہو کر باقی رہتی ہے نعمت یا زحمت میں، بعض اوقات جسم سے متعلق ہو جاتی ہے تو جسم اس کے واسطے سے نعمت پاتا ہے یا عذاب، پھر جب قیامت آئے گی، تو روحیں جسموں کی طرف لوٹا دی جائیں گی اور لوگ قبروں سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ اجسام کا زندہ کیا جانا، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان متفقہ مسئلہ ہے۔ (عقائد اسلامیہ از سید سابق، ص ۲۳۱)

مسند امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحیح ابو حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ واپس جانے والے حاضرین کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پھر اگر وہ مومن ہے، تو نماز اس کے سر کے پاس، روزہ دائیں جانب، زکوٰۃ بائیں جانب اور اچھے کام مثلاً صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور احسان اس کے پاؤں کی طرف ہوتے ہیں، فرشتہ اس کے سر کی طرف سے آتا ہے، تو نماز کہتی ہے میری طرف راستہ نہیں ہے دائیں طرف سے آتا ہے تو روزہ کہتا ہے میری طرف راستہ نہیں ہے، بائیں طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے میری طرف راہ نہیں ہے، پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو افعالِ خیر، صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور احسان کہتے ہیں، ہماری طرف راہ نہیں ہے۔ پھر میت کو کہا جاتا ہے بیٹھ جا، وہ بیٹھ جاتا ہے، اُسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سورج غروب ہو رہا ہے، اسے کہا جاتا ہے کہ یہ شخص کریم جو تمہارے پاس تھا، اُس کے بارے میں کیا کہتا ہے اور کیا گواہی دیتا ہے؟ میت کہتا ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو، اسے کہا جاتا ہے کہ پھر پڑھ لینا، پہلے ہمارے سوال کا جواب دو۔ یہ بتاؤ کہ یہ شخص جو تمہارے پاس تھا، اُس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اور کیا گواہی دیتے ہو؟ وہ کہتا ہے یہ تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لاتے ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ تو اسی ایمان پر زندہ رہا، اسی پر فوت ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی پر اٹھایا جائے گا، پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے اور تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ نعمتیں ہیں، اس کی خوشی کی کوئی انتہا اور مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، پھر اس کی قبر ستر ہاتھ تک وسیع کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے، اس کے جسم کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کی روح، جنت کے درختوں پر چہچہانے والے پرندے میں رکھ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہی ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ (ابراھیم ۱۴۔ آیۃ ۲۷)

"اللہ، ایمان والوں کو مضبوط قول کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرماتا ہے،

دنیاوی زندگی اور آخرت میں"

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کو علمِ سلیم کے نور سے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے، بیشک وہ ارحم الراحمین ہے۔

ہمارے دلوں میں یہ آرزو مچل رہی ہے کہ دانشمند اور انصاف پسند مسلمان بیدار مغزی کے ساتھ حقائق کا مطالعہ کرنے اور ان حقائق کی روشنی میں امتِ مسلمہ کی راہنمائی، عوام کی ہدایت اور خواص کی تائید کے لیے تیار ہو جائیں، کیونکہ دین، نام ہے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتاب، ائمۂ مسلمین اور عوام کی خیر خواہی کا، اور یہ قطعاً خیر خواہی نہیں ہے کہ شکوک وشبہات پھیلائے جائیں اور قرنِ اوّل سے لے کر اس وقت تک کے مسلمانوں کو گمراہ قرار دیا جائے، کیونکہ مسلمان صدیوں سے ہدایت پر قائم چلے آرہے ہیں، جیسے کہ عامۃ المسلمین کو کافر قرار دینے والے خوارج کی اقتدا جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، ہم مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ جب تک اہلِ قبلہ میں سے کسی کے کفر پر قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے ہم کسی کی تکفیر نہیں کریں گے جیسے کہ طریقِ سلف سے انحراف سے مکمل اجتناب ضروری ہے، ہمارے لیے راہِ اعتدال اور افراط وتفریط کے بغیر درمیانی راہ اختیار کرنا اور ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دینا واجب ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے اور ان حضرات کا راستہ ہے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین، اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی برکتوں سے ہم سب سے راضی ہو، اے اللہ ہمیں تصدیق وتسلیم عطا فرما اور ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنا، جن کی تو نے مذمت فرمائی اور جن کے بارے میں فرمایا:

قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (الممتحنۃ ۶۰ آیت ۱۳)

وہ آخرت سے ناامید ہوئے جیسے کفار اہلِ قبور سے مایوس ہوئے۔

آٹھویں فصل

چند شبہات کا ازالہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کی خوش قسمتی

شیخ ابن منیع نے سید محمد علوی مالکی پر بیہودہ رد کرتے ہوئے کسی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا، نیز اپنے مدِ مقابل کو سب وشتم کرنے، بدعتی، کافر اور مشرک قرار دینے میں جلد بازی سے کام لیا ہے اور ہر اس چیز کا انکار کیا ہے جو سید محمد علوی مالکی نے لکھی ہے، یہاں تک کہ ان امور کا بھی انکار کیا ہے، جنہیں احادیثِ صحیحہ کی تائید حاصل ہے۔ سید مالکی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محب، علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ شعر نقل کیا ہے ؎

لَيْتَهُ خَصَّنِيْ بِرُؤْيَةِ وَجْهٍ
زَالَ عَنْ كُلِّ مَنْ رَآهُ الْعَنَاءُ

کاش کہ مجھے اس رُخِ انور کی خصوصی زیارت عطا فرمادیں
کہ جس نے بھی زیارت کی، اس کی مشقت دُور ہو گئی۔

شیخ ابن منیع حوار کے صفحہ ۱۶ پر اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جھوٹ اور باطل ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں بہت سے لوگوں نے آپ کی زیارت کی، نہ توان کی مشقت زائل ہوئی اور نہ ہی کفر دُور ہوا۔ ابن منیع کے رد کے طور طریقے دیکھنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ اور ادارۃ البحوث العلمیۃ میں ان کے معاون علماء جن کا انہوں نے اپنی کتاب کے خاتمہ ص ۱۹۹ پر شکریہ ادا کیا ہے، ان کی تعریف کی ہے اور عقیدہ کے تحفظ کے سلسلے میں ان کے لیے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائے، وہ سب کے سب کتاب اللہ کے بعد شریعتِ اسلامیہ کے

دوسرے ماخذ سُنّتِ مبارکہ اور احادیثِ طیبہ پر وسیع نظر نہیں رکھتے۔ ورنہ ابنِ منیع اور ان کے معاونین و انصار پر یہ واضح مسئلہ ہرگز مخفی نہ رہتا۔

امام ترمذی اپنی سُنن میں، سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔ سنن ترمذی، مطبوعہ قاہرہ، حدیث ۳۹۵۷۔

شیخ ابنِ منیع کی طرح بعض لوگ اس حدیث شریف کا مطلب نہیں سمجھ سکے، انہیں یہ شبہہ پیدا ہوا کہ ابولہب، ابوجہل، ولید اور ابی بن خلف ایسے بہت سے لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، مگر ان کی شقاوت زائل ہوئی نہ اُن کا کفر دور ہوا۔ اُن کے ذہنوں سے شکوک و شبہات کے غبار کو یہ حقیقت دور کر دے گی کہ ازلی بدبخت کافروں نے نبی، رسول، حبیب اور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت سے نہ دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان یقیناً سچا ہے:

وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝

(الاعراف، آیت ۱۹۷)

اے حبیب! تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

اب بتایا جائے کہ اپنے عقیدے سے توبہ اور استغفار کا مطالبہ سید مالکی سے ہونا چاہیے یا ابنِ منیع سے؟ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی ہمت عطا فرما اور ہم پر باطل کو مشتبہ نہ فرما کہ ہم خواہش نفس کی پیروی میں مبتلا ہو جائیں۔ آمین!

اجماع کہاں ہے؟

شیخ ابنِ منیع اپنی کتاب، حوار ص ۲۰ میں لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ علماء تفسیر،

علماء لغت اور دیگر اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ سورۂ نور کی آیت مبارکہ کَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (الآیۃ) میں نور سے مراد، اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اسی کے نور کی تشبیہ دی گئی ہے۔ انہوں نے کوئی دلیل شرعی پیش کیے بغیر حکم قطعی صادر کرنے میں غلو سے کام لیا اور زیر تفسیر و لغت کے علماء اور دیگر اہل علم کی طرف وہ بات منسوب کر دی جو انہوں نے نہیں کہی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (النور ۲۴: آیۃ ۳۵)

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی ایسا چمکتا، روشن ہوتا ہے برکت والے زیتون سے، جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے، اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، نور علیٰ نور ہے، اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔"

علماء اور مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا: اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو اس نور کا ذکر فرمایا ہے جس کے ذریعے وجودِ کائنات کو ظاہر فرمایا۔ دوسرا نور وہ ہے جس کی بدولت دلوں کو ایمان کی روشنی عطا کی۔ پہلے نور کا اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

میں ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی مخلوق کو نورِ وجود عطا فرمایا اور انہیں عدم امکانی کی تاریکی سے منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا، نور وہ شے ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ عالمِ وجود میں جو چیز بھی ظاہر ہے اس سے اس کا پیدا کرنے والا زیادہ ظاہر الوجود ہے، اسی طرح ہر نورانی چیز سے اس کا منور کرنے والا زیادہ نورانی ہے، پاک ہے وہ ذات، جس نے موجودات کو عدم کی ظلمتوں سے نکال کر جلوۂ ظہور عطا فرمایا، پاک ہے وہ ذات جس نے نورانی مخلوقات کو نور عطا فرمایا، تو اُن کے نور سے کائنات جگمگا اٹھی، اور پاک ہے وہ ذات جس نے عدم کی ظلمتوں پر نورِ ایجاد کی تجلّی واقع کی تو معدوم اشیاء نورِ وجود سے روشن ہو گئیں۔

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دُعا مانگتے: "اے اللہ! اے ہمارے رب! تو آسمانوں اور زمین اور ان میں پائی جانے والی مخلوقات کا نور ہے اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں، زمین اور ان میں رہنے والی مخلوقات کا رب ہے اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں، زمین اور ان میں رہنے والوں کا مالک ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک دُعا میں ہے: "میں تیرے وجہِ کریم کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس کی بدولت آسمان اور زمین روشن ہوئے، تاریکیاں جگمگا اٹھیں اور دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہو گیا، اس امر سے کہ تیری ناراضگی اور تیرا غضب مجھ پر نازل ہو، تیرے لیے عتاب کا حق ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، گناہوں سے باز رہنے اور نیک کام کرنے کی طاقت تیری ہی توفیق سے ہے۔

دوسرا نور جس نے دلوں کو ایمان اور معرفت سے منور کیا، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ" حضرت اُبَی بن کعب، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے فرمایا کہ اس قول میں بندۂ مومن کے دل میں پائے جانے والے

نور کی مثال بیان کی گئی ہے۔

یہ وہ نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (الزمر ۳۹، ۲۲) "کیا اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا، وہ اپنے رب کی طرف سے ملنے والے نور پر ہے؟" نیز اس ارشاد میں فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام ۶، ۱۲۵) "جسے اللہ ہدایت دینا چاہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" ابن ابی حاتم وغیرہ راوی ہیں کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شرح کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: ایک نور دل میں القا کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی، امام احمد اور ان کے علاوہ ائمہ محدثین، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا۔ پھر ان پر اپنا نور واقع کیا، جسے اس نور سے حصّہ ملا، وہ ہدایت پا گیا اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تاریکی میں نہیں رہنے دیا، بلکہ ان پر اپنا نور واقع کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں اور اُس کے نور کے ذریعے اس کی طرف راہ پائیں جس نے اس نور کا قصد کیا، اُسے نور مل گیا اور وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس نور سے روگردانی کی وہ بھٹک گیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو تاریکیوں میں اس طرح چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیا، کیونکہ انہوں نے رُوگردانی کی اور پیٹھ پھیری، عالمِ محسوسات میں ظاہر ہے کہ جو نور کی طرف رُخ کرتا ہے، اس کا چہرہ روشن ہو جاتا اور چمک اُٹھتا ہے اور جو منہ پھیر لیتا ہے، اس کا چہرہ روشنی سے محروم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْھَا (الانعام ۶، آیت ۱۲۲)

"کیا وہ شخص جو بے جان تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اسے نور عطا کیا، جس کی بدولت وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھیروں میں ہے، ان سے نکل نہیں سکتا"
پس کافر اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور مومن خداداد نور کے ذریعے چلتا پھرتا ہے۔

شیخ عبداللہ سراج الدین، الایمان بعوالم الآخرۃ میں فرماتے ہیں: یہ نورِ ایمانی وہی ہے جو امام ابویعلیٰ کی فرات بن سلیمان سے روایت کردہ حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر چار رکعت نماز ادا کرے اور ان میں وہی کلمات کہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے تھے، ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے: تیرا نور مکمل ہے اور تو نے ہدایت دی، لہٰذا تیرے لیے حمد ہے، تیرا حلم عظیم ہے اور تو نے مغفرت فرمائی، لہٰذا تیرے لیے حمد ہے، تو نے اپنا دستِ رحمت پھیلایا اور عطا کیا، لہٰذا تیرے لیے حمد ہے۔ یہ حدیث حصن حصین اور شرح مواہب میں ہے۔

اس نور سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ کسب ضیاء کرنے والا اور منور ہونے والا ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دلِ اقدس ہے جس نے تمام دلوں پر ضیاء پاشی کی اور جو دلوں کے آئینوں پر ضو فشاں ہوا، تو ان کی قابلیت اور استعداد کے مطابق ان میں نورِ ایمانی جگمگا اٹھا۔ بہت سے محققین مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ" کی تفسیر میں فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک اور زجاجہ سے مراد آپ کا دلِ اقدس ہے، اور مصباح وہ نورِ ایمانی محمدی ہے اور وہ شجرہ (درخت) جس سے امداد ملتی ہے، وہ شجرۂ وحیٔ محمدی ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس طرح کئی نور جمع ہو گئے۔ [1]

ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دلوں کے چراغوں کو منور کرنے والا چراغ

---

[1] امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

شمعِ دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

اور آنکھوں کے نوروں کا نور ہیں۔ آپ ہی وہ سراج منیر ہیں جو دلوں، عقلوں، کانوں، آنکھوں، سوچوں، چہروں اور دماغوں کو منور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا وہی نام رکھا جو آسمانی سورج کا ہے، لیکن آپ کو ایسے وصف سے موصوف کیا جو سورج کے وصف سے زیادہ حسین وجمیل اور اعلیٰ واکمل ہے۔ آسمان کے سورج کے بارے میں فرمایا، وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (النباء ۷۸، ۱۳) اور ہم نے شعلہ زن سراج پیدا فرمایا۔ اور آفتاب محمدی کے بارے میں فرمایا: وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ (الاحزاب ۳۳، ۴۶) "اور اللہ کے اذن سے اس کی طرف بلانے والا اور ضیا۔بار سراج"۔ شعلہ زن سورج اور ضیا۔پاشی کرنے والے سورج کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلِ اقدس

حوار کے ص ۱۶ پر شیخ عبداللہ بن منیع نے سید محمد علوی مالکی پر رد کرتے ہوئے کھل کر زبان درازی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوچ اور فکر کی صلاحیت سے عاری ہیں اور اپنے بھائی کے کسی عذر کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہیں، بات صرف اتنی تھی کہ سید علوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک محب شاعر کا ایک شعر نقل کر دیا تھا جس میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلِ اقدس کی تعریف کی گئی ہے۔ کیا معترض کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بعض اقوال کو رد بدعت کے لیے کئی مقامات پر اُس نے ڈھال بنایا ہے۔ ان کے بارے میں حدیث کی کتبِ صحاح میں ہے کہ ان کے پاس نعلِ اقدس، کنگھی، سُرمہ دانی اور وضو کا برتن ہوا کرتا تھا جیسے کہ امام بخاری وغیرہ نے بیان کیا ہے، کیونکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آرام فرماتے، تو وہ آپ کو بیدار کرتے، جب غسل فرماتے تو وہ پردہ کرتے، جب باہر جانے کا ارادہ فرماتے، تو وہ نعل مبارک پیش کرتے۔ جب اندر جانے لگتے تو وہ نعلِ مبارک

اتارتے، عصا اور مسواک اٹھائے رکھتے، علامہ شیخ یوسف نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

وَنَعْلٌ تَخَضَعْنَا هَيْبَةً لِوَقَارِهَا
فَاِنَّا مَتٰى نَخْضَعْ لِهَيْبَتِهَا نَعْلُوْ
فَضَعْهَا عَلٰى اَعْلَى الْمَفَادِقِ اِنَّهَا
حَقِيْقَتُهَا تَاجٌ وَصُوْرَتُهَا نَعْلٌ

وہ نعلِ مبارک جس کے رعب اور دبدبے کے سبب ہم جُھک گئے۔ جب ہم اس کی ہیبت کے آگے جھک جائیں گے تو سر بلند ہوں گے، تو اسے اپنے سر پر رکھ کہ حقیقت میں تاج ہے گو کہ دیکھنے میں نعلِ مبارک ہے۔

اے ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ فقط اتباع ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ محبت بھی ضروری ہے، کیونکہ بعض اوقات خوف یا طمع کی بنا پر محبت و عقیدت سے عاری شخص بھی پیروی کرتا ہے (اور اس کا کچھ اعتبار نہیں)، اے اللہ! ہمیں محبت سے سرشار پیروکار بنا۔ حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک مجھے اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے" یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی۔

حدیث کی صحیح کتابوں اور کتبِ سیرت میں احادیث صحیحہ حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ صحابۂ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثارِ شریفہ مثلاً بابرکت بالوں، وضو کے پانی یہاں تک کہ لعابِ دہن سے برکت حاصل کیا کرتے تھے، جیسے کہ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد وغیرہ میں نقل کیا، کیا اس کے باوجود سید علوی مالکی اور دیگر محبین پر سلف صالحین کی مشابہت اختیار کرنے پر رد کیا جائے گا اور ان پر نکتہ چینی کی جائے گی؟

جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف اٹھانے کی سعادت نصیب ہوئی، یہاں تک مروی ہے کہ وہ انہیں اپنی آستین

میں رکھ لیا کرتے تھے۔ اگر یہ سعادت شیخ ابن منیع کو حاصل ہو جائے تو کیا وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کریں گے؟ جب حنابلہ اور دیگر فقہاء اہل سنت و جماعت، قرآن پاک کے غلاف کو چومنا جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اسے قرآن پاک کے اتصال کا شرف حاصل ہے، تو کیا روضۂ اقدس کی جالی مبارک کو چومنا شرک اور کفر قرار دیا جائے گا یا محبت اور تبرک؟ جالی مبارک کو بھی تو روضۂ اطہر کے قرب کے سبب شرافت حاصل ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ سید محمد علوی مالکی پر حملہ آور، شیخ ابن منیع اور ان کے معاونین کا علمی سرمایہ بہت کم اور وسیع اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شیخ ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کی تصانیف کے علاوہ بہت ہی محدود ہے، ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ بہت سے علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعال شریفہ کے موضوع پر بڑے اہتمام سے کتابیں لکھی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ علماء نے آپ کے نعلِ اقدس کی صفت ـــــ اس کی تصویر، رنگ اور جنس، ان کی تعداد اور ان کے حاملین کے بارے میں گہری نظر کے ساتھ دقیق بحثیں کی ہیں اور نظم و نثر میں ان کی رنگا رنگ انداز میں مدح و ثناء کی ہے۔

کتب سیرت میں جلیل القدر حفاظِ حدیث اور اکابر محدثین مثلاً ابن عربی، ابن عساکر، ابن مرزوق، فارقی، سیوطی، سخاوی، تتائی اور عراقی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف کی تصویر کی تحقیق کے بارے میں پُر مغز بحثیں کی ہیں۔

بہت سے یگانہ روزگار ادباء مثلاً ابوالحسن بن سعد البلانسی، ابوامیہ اسماعیل بن سعد السعود بن عفیر، شرف الدین عیسیٰ بن سلیمان الطنتوبی المصری، ابوالحکم بن المرحل السبتی، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن الأبار القضاعی البلنسی، حافظ ابو الربیع سلیمان الطلاعی، علی ابوالحسن الرعینی، علی ابوالحسن بن احمد الخزرجی، امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزری، حافظ محمد بن رشید الفہری السبتی اور علامہ احمد المقری نے نعل مبارک کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ان حضرات کے طویل قصائد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلِ اقدس کی تصویر کی زوردار تعریف اور توسل و تبرک پر مشتمل

ہیں۔ ان کا مقصود، نعلِ اقدس نہیں، بلکہ وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے اسے استعمال کیا۔
یہ تصویر تو اس ذاتِ اقدس کے قدم کے لیے وسیلہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے کامل ترین اوصاف سے نوازا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

وَمَا حُبُّ النِّعَالِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ
وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ لَبِسَ النِّعَالَا

نعالِ مبارکہ کی محبت نے میرے دل کو وارفتہ نہیں کیا،
بلکہ انہیں پہننے والی ہستی کی محبت نے مجھے خود رفتہ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ فاکہانی اسکندری، مالکی پر رحمتیں نازل فرمائے۔ جب انہوں نے نعلِ نبوی کی تصویر دیکھی، تو فرمایا ؎

وَلَوْ قِیْلَ لِلْمَجْنُوْنِ لَیْلٰی وَوَصْلَھَا
تُرِیْدُ؟ اَمِ الدُّنْیَا وَمَا فِیْ زَوَایَاھَا
لَقَالَ: غُبَارٌ مِنْ تُرَابِ نِعَالِھَا
اَحَبُّ اِلٰی نَفْسِیْ وَاَشْفٰی لِبَلْوَاھَا

اگر مجنوں کو کہا جائے کہ کیا تو لیلیٰ اور اس کا وصال چاہتا ہے؟ یا دنیا وما فیہا۔
تو وہ کہے گا کہ اس کے جوتے کی مٹی کا غبار، میری جان کے لیے زیادہ محبوب ہے
اور اس کی بیماری کے لیے زیادہ شفا بخش ہے۔

بعض علماء نے تو اس موضوع پر مستقل رسائل لکھے ہیں۔ امام علامہ شہاب الدین احمد المقری نے فتح المتعال فی مدح النعال کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ ہندوستان کے علامہ اور علماء دیوبند کے حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانوی نے ایک رسالہ لکھا نیل الشفاء بنعل المصطفےٰ[1]

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا:
"شِفَاءُ الْوَالِہِ فِیْ صُوَرِ الْحَبِیْبِ وَمَزَارِہٖ وَنِعَالِہٖ" ۱۲ شرف قادری

علامہ قسطلانی اور علامہ احمد مقری نے علماء کے تجربات بیان کیے، جنہیں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل شریف کی تصویر اپنے پاس رکھنے کی بدولت برکتیں میسر ہوئیں (دیکھئے علامہ قسطلانی کی مواہب لدنیہ کی شرح از علامہ زرقانی ج ۵، ص ۴۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ مقری نے اپنی کتاب فتح المتعال میں جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلِ مبارک کی معتبر صفت اور راجح تصویر کے بیان کرنے میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور جس تصویر کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے، اس کے بارے میں کہتے ہیں: یہ ابن عربی، ابن عساکر، ابن مرزوق، فارقی، سیوطی، سخاوی، تتائی اور دیگر متعدد مشائخ کے نزدیک معتبر ہے۔ علامہ مقری نے اپنی اور دیگر مشائخ کی سندوں سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلِ مبارک ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، پھر وہ دوسرے لوگوں کے پاس منتقل ہوتے رہے اور ان کے برابر دوسرے نعل تیار کیے گئے، پھر انہیں سامنے رکھ کر مزید تیار کیے جاتے رہے، یہاں تک کہ مشائخ نے ان کا نقشہ کاغذ پر تیار کیا اور اسے سندوں سے روایت کیا۔ اس موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک ابوالیمن بن عساکر ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں نعل مُبارک کا نقشہ بھی دیا ہے۔ پھر ان کی کتاب سندوں سے روایت کی گئی اور باقاعدہ ضبط کے ساتھ پڑھی گئی، یہاں تک کہ شیخ مقری تک پہنچی، تو انہوں نے اپنی کتاب فتح المتعال میں نقشہ پیش کیا، ان کے سامنے ابن عساکر کی تصنیف کا وہ مستند نسخہ تھا، جس پر جلیل القدر علماء اور حفاظ مثلاً سیوطی، سخاوی اور دیمی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات موجود تھیں۔

متاخرین میں سے علامہ شیخ یوسف نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نعل شریف کے بارے میں بڑا اہتمام کیا اور بہت کچھ لکھا۔ علامہ نبہانی فرماتے ہیں کہ علامہ مناوی اور ملا علی قاری شرح شمائل میں فرماتے ہیں کہ ابن عربی نے فرمایا: نعل مبارک انبیاء کرام استعمال فرمایا کرتے

تھے۔ عجمیوں نے دوسرے جوتے اس لیے استعمال کیے کہ ان کے علاقے میں کیچڑ ہوتا تھا۔
مروی ہے کہ کتبِ قدیمہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک نام صاحبِ نعلین بھی ہے، کیونکہ نعل کا استعمال کرنا عرب کی عادت ہے۔
صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل کا تلا دوہرے چمڑے کا تھا اور بالوں سے خالی، اس کے دو تسمے تھے، جن میں سے ایک کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان رکھتے تھے۔ یہ دونوں تسمے پاؤں کی پشت پر ایک چوڑی پٹی سے وابستہ تھے۔ یہ پٹی گائے کے دوہرے چمڑے سے بنی ہوئی تھی، اس پٹی کی نوک آگے بڑھی ہوئی تھی جیسے زبان ہو، پچھلی طرف بھی ایک تسمہ تھا جو پاؤں کے باندھنے کا کام دیتا تھا۔ بعض حفاظ نے کہا کہ نعل مبارک زرد رنگ کا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزے بھی پہنے اور ان پر مسح بھی فرمایا۔
اس تفصیل کے بعد شیخ ابن منیع جو چاہے کہے۔

میلاد شریف کی رات اور لیلۃ القدر

حافظ قسطلانی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لیلۃ القدر اور میلاد شریف کی رات کی باہمی مناسبت بیان کی۔ بعض لوگوں سے مراد کے سمجھنے میں غلطی واقع ہوئی۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لیلۃ القدر اور ہر سال آنے والی میلاد شریف کی رات کے درمیان مقابلہ ہے جیسے کہ شیخ ابن منیع نے سید مالکی پر رد کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵ پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان کا یہ اعتراض کسی طرح بھی وارد نہیں ہوتا، کیونکہ مراد وہ رات ہے جس میں درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت واقع ہوئی۔ یہ رات، لیلۃ القدر سے دسیوں سال پہلے تھی۔ شبِ ولادت کی افضلیت کا یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کی اُمت کی عمریں پہلی امتوں

سے بہت چھوٹی ہیں، تو آپ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعواز میں لیلۃ القدر عطا فرمائی اور آپ کے طلب کرنے پر یہ رات عطا فرما کر آپ پر اور آپ کی امت پر احسان فرمایا۔ اس لحاظ سے میلاد شریف کی رات، تمام راتوں کی اصل ٹھہری اور ہر خیر اور ہر فضیلت کا سبب بنی۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ جب ہم نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، رات کے وقت ہوئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر افضل ہے یا میلاد شریف کی رات؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات، تین وجوہ کی بناء پر لیلۃ القدر سے افضل ہے:

۱۔ میلاد شریف کی رات، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے، لیلۃ القدر تو آپ کو عطا کی گئی ہے۔ منبعِ شرافت آپ کی ذاتِ اقدس ہے، اس لیے جس رات میں آپ کا ظہور ہوا، وہ اس رات سے افضل ہے جو آپ کو عطا کی گئی۔ یہ حقیقت اختلاف سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس لحاظ سے شبِ ولادت، شبِ قدر سے افضل ہے۔

۲۔ لیلۃ القدر کی شرافت اس لئے ہے کہ اس میں (غروبِ آفتاب سے لے کر طلوعِ فجر تک) رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور شبِ ولادت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے۔ اصح اور مختار یہ ہے کہ شبِ ولادت کو جس ذاتِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے شرافت حاصل ہوئی، وہ فرشتوں سے افضل ہے جن کے سبب لیلۃ القدر کو فضیلت ملی، لہٰذا شبِ ولادت، شبِ قدر سے بہتر ہے۔

۳۔ لیلۃ القدر میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر احسان کیا گیا اور میلاد شریف کی رات، تمام موجودات پر احسان کیا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ اس رات تمام مخلوقات کو عظیم نعمت ملی۔ ثابت ہوا کہ شبِ ولادت کی افادیت کا دائرہ

زیادہ وسیع ہے۔

یہ فاضل مجیب کا اجتہاد ہے، ان کی طرف منسوب ہے اور انہی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے یہ اُن کی مجتہدانہ رائے ہے، اس سلسلے میں انہوں نے متعدد وجوہ پیش کی ہیں اور اپنی رائے کی تائید میں دلائل پیش کیے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رائے خطا ہے یا درست، صحیح ہے یا باطل، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کسی شک وشبہہ کے بغیر ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر، مطلقاً تمام راتوں سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (القدر ۹۷، ۱)

بیشک ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستحقین کو جنّت عطا فرمانا

بعض علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے لیے جائز ہے کہ اہلِ توحید میں سے جنّت کے مستحق کے لیے جنّت کا کوئی قطعہ عطا فرمادیں۔ اس خصوصیت کا ذکر علامہ سیوطی، قسطلانی اور زرقانی وغیرہ علماء نے کیا۔

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح سے پہلے زمینیں عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔ کچھ لوگوں نے ان کی اولاد سے اس زمین کے بارے میں جھگڑا کیا، تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا تھا (اس لیے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے کا انکار کیا تھا) اور فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنّت کی زمین میں سے جسے چاہیں اور جتنی چاہیں

دے دیں۔ دُنیا کی زمین بطریقِ اولیٰ دے سکتے ہیں۔ امام غزالی کا یہ فتویٰ ابن عربی نے قانون میں نقل کیا اور اسے برقرار رکھا۔ امام سبکی نے بھی یہی فتویٰ دیا جیسے کہ علامہ قسطلانی کی مواہب اور اس کی شرح زرقانی ج ۵، ص ۲۴۲ میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جنّت کی زمین کا عطا فرمانا درحقیقت جنّت کی بشارت سے زائد نہیں ہے اور اس میں فرق نہیں ہے کہ کسی شخص معین کو جنّت کی بشارت دی جائے، یا کسی معین چیز مثلاً زمین، محل، یا خیمے کی بشارت دی جائے، احادیث میں اس کے شواہد بکثرت واقع ہوئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو مغفرت کی، کئی لوگوں کو جنّت میں داخل ہونے کی، کسی کو جنّتی مکان کی اور کسی کو جنّتی درخت کی بشارت عطا فرمائی، تعیینِ اشخاص کے بغیر بھی بشارتیں بکثرت احادیث میں آئی ہیں، مثلاً یہ کہ جس نے فلاں کام کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت میں محل بنائے گا۔ جس نے فلاں کام کیا، اُس کے لیے جنّت میں فلاں فلاں نعمتیں ہیں اور جس نے فلاں کام کیا، اس کے لیے بڑی آنکھوں والی اتنی حوریں ہوں گی، یہ اور ایسی ہی دیگر بشارتیں علماء نے بیان کیں، منذری نے الترغیب والترہیب میں امام نووی نے ریاض الصالحین میں، ابن قیّم نے حادی الارواح میں اور ملّا علی قاری نے حادی الانام میں۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی اشیاء نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف آپ کی تعظیم وتکریم اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت اور مقام بیان کرنے کے لیے منسوب کی جاتی ہیں، ورنہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے، مولائے کریم کے لکھے ہوئے کی خبر دینے والے ہیں جس کی اجازت، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے، جب آپ کسی کو مغفرت کی، جنّت میں داخل ہونے، جنّت کی زمین، یا محل یا مکان کی بشارت دیں اور اسی کا نام جنّت کی زمین عطا کرنا ہے، تو آپ حق کی خبر دیتے ہیں اور سچّی بات فرماتے ہیں،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۵۳، ۳)

وہ خواہشِ نفس سے بات نہیں کہتے، وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغفرت، جنّت یا جنّتی محل کی بشارت دے سکتے ہیں، تو کیا کسی مسلمان کو اس امر میں شک ہو سکتا ہے؟ آپ اسی وقت بشارت دیں گے، جب آپ کو وحی، الہام یا خواب سے یقینی علم حاصل ہو جائے گا اور کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفع وضرر دینے، اور منع کرنے میں اللہ تعالیٰ کے تصرّف ایسا تصرفِ ذاتی حاصل ہے۔ حاشا وکلّا! کسی جاہل سے جاہل مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس عقیدے سے بری ہونے کا اعلان کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس قول کا قائل کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنّت کی زمین عطا فرماتے ہیں، مومن ہے، اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے مثل بشر ہیں، اللہ تعالیٰ کے عبدِ مکرّم اور رسول ہیں اور کسی ایسے امر کے مالک نہیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے اور آپ کا ہر تصرّف اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے، حدیث شریف میں ہے:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِی

"میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ ہے"

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ جنّت کی زمین عطا فرمانے کی ضمانت دیتے ہیں۔ امام ابوداؤد باب حُسن الخلق میں راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا ترک کرتا ہے، میں اُس کے لیے اطرافِ جنّت میں مکان کا ضامن ہوں۔ جو شخص جھوٹ ترک کرے، اگرچہ وہ مزاح ہی کر رہا ہو، میں اُس کے لیے جنّت کے وسط میں مکان کا ضامن ہوں اور

جو حُسنِ اخلاق کا خوگر ہے، میں اُس کے لیے جنت میں بُلند ترین مقام میں مکان کا ضامن ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی حضرت رُبَیِّع رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا، وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے قصاص (دانت کے بدلے دانت توڑنے) کا حکم دیا۔ حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) خدا تعالیٰ کی قسم اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا حکم، قصاص ہی ہے۔ وہ لوگ راضی ہو گئے اور انہوں نے دِیت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قسم دے کر عرض کریں، تو اللہ تعالیٰ ان کی بات پوری فرما دے گا۔

یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے روایت کی جیسے کہ مشکوٰۃ المصابیح (مطبوعہ مصر) ج ۲، ص ۱۰۳۰ میں ہے:

اس جلیل القدر صحابی نے ایک ایسی چیز کی قسم کھائی جس کا انہیں علم نہ تھا اور نہ ہی ان کا اس میں کوئی حق تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت فرمائی۔ ان کی توقع اور آرزو پوری فرمائی، انہیں ناکامی اور قسم ٹوٹنے سے بچا لیا اور اُن کی قسم پوری فرما دی، تو کیا خیال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عظیم توقع اور حُسنِ ظن کی بناء پر جو آپ کو بارگاہِ الٰہی میں ہے، دُنیا و آخرت کے امور کے بارے میں کوئی بات فرما دیں، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے پورا نہ فرمائے گا، خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ۔

(التحریم ۶۶ - آیت ۸)

"جس دن اللہ، نبی اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بے وقار نہیں کرے گا"

جو کہہ دیں وہ پورا ہو جائے" یہ بات صاحبِ مقامِ محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بڑی انہونی نہیں ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ ۹۳، ۵)

"اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔"

اور بروایت صحیح مسلم جنہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا لَنْ نُخْزِيكَ فِيْ اُمَّتِكَ اَبَدًا

"اے حبیب! ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں کبھی بے وقار نہیں کریں گے"

حدیث شریف میں ہے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ

"میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ تعالیٰ ہے"

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں تقسیم فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تقسیم کو روا رکھتا ہے، اسے بار آور فرماتا ہے اور چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مکرم اور محترم ہیں، اس لیے آپ کی کارروائی میں آپ کو ناکام اور بے وقار نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ آپ کا ہر فعل اور آپ کی ہر سوچ اور فکر، مولائے کریم کی رضا کے موافق ہے اور جب کسی مومن کا ایمان، اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا" جب تک اُس کی خواہش، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو، تو خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاہت اور پسند کا کیا حال ہوگا؟ ہماری رائے میں اس مسئلہ میں گفتگو، صحیح ہے یا خطا، کیونکہ اگرچہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کوئی خاص نص وارد ہے یا نہیں، تاہم اس قسم کی ابحاث کا ایمان اور کفر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت عطا فرمائے۔

زمین اور آسمانوں کی چابیاں

یہ ان خصوصیات میں سے ہے، جن میں بعض لوگوں کو اشتباہ واقع ہوا ہے۔ انہوں نے اس خصوصیت کو صرف الوہیت کے زاویہ سے دیکھا ہے۔ اس کے متعدد معانی کو پیش نظر نہیں رکھا جیسا کہ شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب حوار مع المالکی کے ص ۹ — ۱۹ — اور ص ۲۲ پر کیا ہے۔

کسی شک وشبہہ کے بغیر ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ زمین وآسمانوں کی چابیاں، اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے لیے ہیں۔ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں صراحۃً بیان فرمائی گئی ہے:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر ۳۹، ۶۳) بلاشبہ لہٗ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ زمین اور آسمانوں کی چابیوں کا اگر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ومالک، رب اور ان میں متصرف ہے اور یہ تمام اشیاء اس کی تدبیر وحفاظت اور اس کے قہر کے تحت ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اگر اس سے مراد خزانوں کی چابیاں ہیں، تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداءِ احسان وکرم، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرمادے، چابیوں کے ساتھ تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری سے مروی ہے جیسے کہ امام طبری اور قرطبی نے تفسیر میں بیان فرمایا۔

اس کی تائید اس حدیثِ صحیح سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔

"مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔"

امام احمد، ابن حبان اور ضیاء مقدسی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُتِيْتُ بِمَقَالِيْدِ الدُّنْيَا۔ "مجھے دُنیا کی چابیاں دی گئیں۔" اس کے راوی، حدیثِ صحیح کے راوی ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ابن منیع کا ابنِ جوزی سے اس حدیث کا ضعیف ہونا نقل کرنا قابلِ اعتبار نہیں ہے، ابنِ جوزی نے تو ضعیف بلکہ حسن اور صحیح حدیثیں بھی

موضوعات میں شامل کر دی ہیں۔

اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ رَأَیْتُ فِیْ غَدَاتِیْ ھٰذِہٖ کَاَنِّیْ اُوْتِیْتُ بِالْمَقَالِیْدِ وَالْمَوَازِیْنِ۔

"میں نے آج صبح دیکھا کہ گویا مجھے چابیاں اور ترازو عطا کیے گئے ہیں۔"

ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور علامہ سیوطی نے درِ منثور میں بیان کی۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین اور آسمانوں کی چابیوں کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں:

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ"

یہ حدیث امام ابو یعلیٰ، قاضی ابو یوسف، ابو الحسن قطان اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کی، ابنِ کثیر نے بھی اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقالید (چابیوں) کی تفسیر پوچھی، تو آپ نے فرمایا: علی! تم نے ایک عظیم شے کے بارے میں سوال کیا ہے، چابیاں یہ ہیں کہ تو صبح اور شام، دس دس مرتبہ یہ کلمات پڑھ:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

تفسیر قرطبی ج ۱۵، ص ۲۷۵، تفسیر درِ منثور، علامہ سیوطی ج ۵، ص ۳۲۳، اور تفسیر ابن کثیر، سورۃ الشوریٰ۔

اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کی چابیاں، بلکہ ان کے ساتھ ان کی کنجی مشکلیں ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں، جیسے کہ اس پر دلالت کرنے والی متعدد نصوص وارد ہوئی ہیں، خواہ اُن کے درجات کیسے ہی ہوں، لہٰذا یہ مسئلہ، شانِ ربوبیت کے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں

بلند و بالا ہے اور معاملہ واضح ہے۔

حدیث شریف میں ہے "جنت میں ایک چابک کی جگہ، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" اور دنیا و مافیہا زمین اور آسمانوں کو شامل ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبعین کی، ایک چابک کے برابر جگہ کا یہ حال ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنت میں جگہ کا کیا حال ہوگا؟

امام بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث صحیح میں، جنت میں جانے والے آخری دوزخی کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی مثل اور اس سے دس گنا زیادہ جگہ عطا فرمائے گا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مقام اور منزل کے اعتبار سے یہ شخص، اہل جنت میں سب سے کم مرتبہ ہوگا۔"

تو پھر بدگمانی کیوں کی جاتی ہے؟ اور اس مسئلے کو بدعات، خرافات، گمراہی اور بت پرستی کی طرف دعوت، بلکہ منکر و ضلال اور شرک قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ جیسے کہ سید مالکی پر رد کرتے ہوئے حوار کے متعدد صفحات میں کہا گیا ہے۔

روضۂ مبارکہ اور کعبۂ مشرفہ

شیخ سید محمد علوی مالکی نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت، حج کی تکمیل ہے، نیز انہوں نے روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والے کی دس فضیلتیں بیان کیں، اس پر شیخ ابن منیع نے جو رد کیا ہے، اس پر ہم آئندہ سطور میں اپنی رائے پیش کریں گے۔

حضرت قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی جگہ، زمین کے تمام خطوں سے افضل ہے۔ انہوں نے فرمایا: اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کا مقام، زمین کے تمام مقامات سے افضل ہے (شفاء شریف)۔ شارح شفاء، علامہ شہاب الدین نے اس کی تائید کرتے ہوئے

فرمایا، بلکہ آسمانوں، عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے جیسے کہ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ نسیم الریاض ج ۳، ص ۵۳۱، اسی طرح شیخ ابن عبد السلام سے بھی نقل کیا۔

شیخ ابن تیمیہ کی رائے

شیخ ابن تیمیہ نے اس افضلیت سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے قاضی عیاض کا قول نقل کر کے اس پر صرف اتنا رد کیا کہ کسی نے اس مسئلے میں ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ فتاویٰ میں ان کا کلام درج ذیل ہے:

دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا، جن میں سے ایک نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر آسمانوں اور زمین سے افضل ہے، دوسرے نے کہا کہ کعبہ افضل ہے، دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

اس کے جواب میں کہتے ہیں "تمام تعریفیں اللہ کے لیے، جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ مکرم کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ باقی رہی قبر شریف، تو وہ کعبہ شریف سے افضل نہیں ہے، بلکہ کعبہ اس سے افضل ہے۔ قاضی عیاض کے علاوہ کوئی عالم معلوم نہیں، جس نے قبرِ انور کی خاک کو کعبہ سے افضل کہا ہو، ان سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کسی نے موافقت کی۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۷، ص ۳۸)

شیخ ابن قیم نے حنابلہ کے عظیم امام ابن عقیل کا فتویٰ بغیر کسی ردو قدح کے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فتویٰ سے متفق ہیں۔

شیخ ابن قیم کی عبارت یہ ہے:

فائدہ: ابن عقیل نے کہا: مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا حجرہ افضل ہے یا کعبہ؟ میں نے کہا کہ اگر تمہاری مُراد فقط حجرہ ہے تو کعبہ اس سے افضل ہے اور اگر اس حیثیت سے مراد ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، تو خدا کی قسم! عرش اور اس کے حاملین، جنتِ عدن اور گردش کرنے والے افلاک بھی اس حجرۂ مقدسہ سے افضل نہیں ہیں، کیونکہ اس حجرے میں وہ جسمِ مقدس ہے کہ اگر اسے دو جہان سے تولا جائے گا، تو وہ بھاری ہوگا۔ (بدائع الفوائد ج ۳، ص ۱۳۵)

ابنِ قیّم ——— اور فضائلِ اہلِ بیت

شیخ سید محمد علوی مالکی نے اپنی کتاب الذخائر المحمدیہ میں اہلِ بیت کے خصائص سے متعلق شیخ ابن القیم کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ انہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ اہلِ بیت سے ان کی مراد، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ شیخ علوی کی عبارت سے یہ تاثر ملتا ہے تو وہ خطا پر ہے، کیونکہ ان کی نقل کردہ عبارت میں کئی کلمے ایسے ہیں جو مراد پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں اور خود ساختہ تاثر کی نفی کرتے ہیں، مثلاً وہ ص ۲۸۶ پر لکھتے ہیں:

یہ اور اس سے کئی گنا زیادہ خصائص، اس گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتوں کے آثار میں سے ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ——— اور آپ کی آل پاک پر برکتیں نازل فرمائے جیسے اس اہلبیتِ معظم پر نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان سب پر نازل ہوں، ان کی برکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ خصائص عطا فرمائے جو کسی دوسرے کو نہیں دیئے، ان میں سے ایک شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا۔

ہمارا ایک جاہل ترین طالب علم یہ کلمات پڑھ کر جان لے گا کہ کونسے اہل بیت مراد ہیں اور کن کے بارے میں ابنِ قیّم کا کلام نقل کیا ہے (یعنی اہل بیت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کا خاندان مُراد ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کی فضیلت میں وہ حدیث کافی ہے جو شیخ ابن قیم نے بروایت امام مسلم، جلاء الافہام ص ۱۳۸ میں بیان کی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں، اُن کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے پاس دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں کتاب اللہ اور اپنے اہل بیت! میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔

اور وہ حدیث جسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑنے والا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہو گے، تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری عترت اور اہل بیت، یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس وارد ہوں گے۔ تم غور کرو کہ میرے بعد تم ان سے کیا معاملہ کرتے ہو۔

پھر ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل کی چند خصوصیات ہیں، مثلاً صدقہ ان کے لیے جائز نہیں، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارث نہیں، مال غنیمت کے پانچویں حصے کے پانچویں حصے کے مستحق ہیں۔ ان پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبعیت میں صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صدقہ کا حرام ہونا، وارث نہ ہونا اور خمس کے خمس کا مستحق ہونا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض اقارب کے ساتھ مخصوص ہے، اسی طرح صلوٰۃ بھی بعض رشتہ داروں کے ساتھ خاص ہے۔

شیخ ابن تیمیہ رسالہ العقیدۃ الواسطیۃ میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اور صحابہ کرام سے بغض رکھنے والے اور انہیں سب و شتم کرنے والے روافض اور اہل بیت کرام کو قول یا فعل سے ایذا دینے والے نواصب کے طریقہ سے برائت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اہل سنت و جماعت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور اُن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کرتے ہیں۔

آپ نے غدیرِ خُم (ایک جوہڑ کا نام) کے دن ارشاد فرمایا: میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت کی کہ قریش کے بعض افراد، بنو ہاشم پر زیادتی کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذاتِ اقدس کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، وہ ایمان والے نہیں ہوں گے، جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور میری قرابت کا پاس کرتے ہوئے تم سے محبت نہیں رکھیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسمٰعیل کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

شیخ ابن تیمیہ اپنی کتاب الاقتضاء کے ص ۱۷ پر لکھتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ جنسِ عرب، جنسِ عجم سے افضل ہے خواہ عجمی، عبرانی ہوں یا سُریانی، رومی ہوں یا ایرانی یا ان کے علاوہ، اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ قریش تمام عرب سے، بنو ہاشم تمام قریش سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام بنو ہاشم سے افضل ہیں، لہٰذا آپ ذاتی اور نسبی اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

الاقتضاء کے ص ۷۳ پر کہتے ہیں: امام ترمذی حضرت مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عباس بن عبد المطلب غیظ و غضب کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے، میں بھی آپ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا: آپ کے غضب کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا قریش کا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہے؟ کبھی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور کبھی اس طرح نہیں ملتے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلال میں آگئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہوگیا اور فرمایا: قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے تمہیں محبوب نہیں رکھتا ـــــ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

اسی طرح امام احمد نے مسند میں حضرت مطلب بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا — وہ فرماتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! ہم باہر نکلتے ہیں، تو قریش کو مصروف گفتگو پاتے ہیں، وہ ہمیں دیکھتے ہی خاموش ہو جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جلال آگیا اور آپ کی دونوں آنکھوں کی درمیانی رگ پھڑکنے لگی، آپ نے فرمایا، بخدا! کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا، جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا اور میری قرابت کے پیشِ نظر تم سے محبت نہ رکھے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے دلیل ثابت ہے۔

شیخ ابن منیع کو یہ حقیقت معلوم ہونی چاہیے جنہوں نے اپنی کتاب حوار کے ص ۷ پر قارئین کو یہ تاثر دینے کی سعی ناکام کی ہے کہ اہل بیت کرام کی محبت اور تعظیم اثنا عشری روافض کا مذہب ہے۔ ابن منیع اور ان کے مؤیدین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ جو لوگوں کو یہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نہ تو آل ہے اور نہ اہل ہیں۔ انہوں نے فریب کاری سے کام لیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر یہ آیت آویزاں کردی مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب ۳۳، ۴۰) حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ آیت کسی کو بیٹا (لے پالک) بنانے کی نفی کے لیے نازل ہوئی۔ اس لیے نازل نہیں ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل ہی نہیں ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔

بارگاہ رسالت میں اعمال کا پیش کیا جانا

سید محمد علوی مالکی نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ شیخ ابن منیع نے اپنی کتاب حوار کے ص ۵ پر اس کا انکار کیا ہے۔ ہم ان کے انکار کے رد پر درج ذیل، دلائل شرعیہ پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (التوبۃ ۹، آیۃ ۱۰۵)

"اور تم فرماؤ، کام کرو، اب تمہارے کام دیکھے گا، اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان اور جلد اس کی طرف پلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے، تو تمہارے کام تمہیں جتا دے گا۔"

احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کے اعمال، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے، تم نئے نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے، تو جو اچھے کام دیکھوں گا، تو اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاؤں گا اور جو بُرے کام دیکھوں گا، تو تمہارے لیے مغفرت کی دُعا کروں گا۔

شیخ عبداللہ سراج الدین اپنی کتاب الایمان بعوالم الآخرۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛ ثابت ہوا کہ مومنین کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ کے بیان کے مطابق اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ اچھے اعمال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور بُرے اعمال دیکھ کر ان کے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں گے۔

یہ حدیث، حدیثِ حوض کے مخالف نہیں ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے تم میں سے کچھ لوگ پیش کیے جائیں گے۔ جب میں انہیں پانی دینے لگوں گا تو انہیں مجھ سے دُور کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، کہا جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا حرکتیں کی تھیں، تو میں کہوں گا میرے بعد دین کو تبدیل کرنے والے دُور ہو جائیں، دفع ہو جائیں۔" جیسے کہ صحیحین میں ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مُرتد ہو گئے تھے اور دین سے

برگشتہ ہوگئے تھے، اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ مِنْ بَعْدِیْ "میرے بعد مرتد ہونے والے دُور ہو جائیں"۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا اور آپ کی اُمّت میں سے کفر اختیار کرنے والوں کے اعمال آپ پر پیش نہیں کیے جاتے[1] کیونکہ ان کے پیش کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ پیش کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ ان کے اچھے اعمال ملاحظہ فرما کر خوش ہوں اور بُرے اعمال کے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جیسے کہ بخاری شریف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا، جب تجھے کسی مسلمان کا عمل پسند آئے، تو یہ آیت پڑھ:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴿التوبہ ۹، ۱۰۵﴾

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جانے والے اُمور میں سے دُرود شریف پڑھنے والوں کے دُرود شریف بھی ہیں، جن پر آپ خوش ہوتے ہیں اور فرحت محسوس فرماتے ہیں۔

---

[1] غزالیٔ زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی بناء پر پیش کیے جانے والے اشکال کا ایک اور جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رہی یہ بات کہ پھر حضور سے یہ کیوں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف جلد ثانی مطبوعہ مطبع انصاری دہلی، ص ۲۴۹ میں منکرین کی یہی پیش کردہ حدیث بایں الفاظ موجود ہے: فیقال اما شعرت ما عملوا بعدك؟ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کام کیے؟ "ماشعرت" جملہ منفیہ پر ہمزۂ استفہام انکاری داخل ہوا، نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے، لہٰذا حدیث مبارک سے مرتدین کے اعمال کا علم حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہوا، چونکہ واقعہ ایک ہے، صرف اس کی روایتوں میں تعدد ہے، اس لیے جب ایک روایت میں ہمزۂ استفہام مذکور ہو گیا تو ہر روایت میں اس کے معنی ملحوظ رہیں گے اور جس روایت میں وہ مذکور نہیں، وہاں محذوف ماننا پڑے گا۔"

(مقالاتِ کاظمی جلد ۲، ص ۴-۱۲۳) ۱۲ شرف قادری

امام ابن ماجہ سند جید کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجا کرو کیونکہ یہ دن مشہود ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو بھی مجھ پر درود شریف بھیجے گا، اس کا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا، کیا وصال کے بعد بھی؟ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے ——— حافظ منذری فرماتے ہیں: یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کی اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں بھی ہو، مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، کیونکہ تمہاری صلوٰۃ مجھے پہنچتی ہے۔[۱]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر صلوٰۃ بھیجی، اُس کی صلوٰۃ مجھے پہنچتی ہے، میں اُس کے لیے دُعائے خیر کرتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ امام طبرانی نے یہ حدیث معجم اوسط میں ایسی سند سے روایت کی جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۲]

امام بزار اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے، تم نئے نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے، جب میرا وصال ہو گیا، تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہو گی، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ اچھے اعمال دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور بُرے اعمال دیکھوں گا، تو تمہارے لیے دُعائے مغفرت کروں گا۔ اس حدیث کو حافظ عراقی

---

[۱] حافظ منذری نے فرمایا: یہ حدیث امام طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن سے روایت کی۔

[۲] دیکھئے الترغیب، للعلامۃ المنذری

نے طرح التثریب میں، حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اور حافظ سیوطی نے خصائصِ کبریٰ میں صحیح قرار دیا۔ علامہ زرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح میں تصریح کی کہ اس کی سند جیّد ہے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی اور ملّا علی قاری نے شرح شفاء میں فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ حدیث حوض اس کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ آپ کے سامنے صرف اُمتِ مُسلمہ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، وہ لوگ جنہیں پانی پینے سے روک کر جہنّم کی طرف لے جایا جائے گا، وہ مُرتد ہوں گے یا منافق یا وہ لوگ ہوں گے، جنہیں کبائر پر اصرار رہو گا۔

یہ حدیث معنوی طور پر متواتر ہے، کیونکہ اس کی روایت صحابہ کرام کی ایسی جماعت نے کی ہے، جن کی تعداد حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، ان میں صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود، ان کی روایت کے پانچ سے زیادہ طُرق ہیں۔ (۲) حضرت انس بن مالک، اور ان کی روایت کے چھ سے زیادہ طرق ہیں (۳) حضرت ابوہریرہ اور اُن کی روایت کے دس سے زیادہ طرق ہیں (۴) حضرت عمار بن یاسر (۵) حضرت ابوامامہ (۶) حضرت علی بن ابی طالب (۷) حضرت علی کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ، (۸) حضرت ابن عباس (۹) حضرت ابوبکر صدیق (۱۰) حضرت اوس بن اوس ثقفی (۱۱) حضرت ابوالدرداء (۱۲) حضرت ابو مسعود بدری انصاری (۱۳) حضرت عمر بن خطاب (۱۴) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسی طرح یہ حدیث تابعین کی ایک جماعت سے مُرسلاً مروی ہے۔ ان میں سے چند حضرات یہ ہیں: (۱) بکر بن عبداللہ مزنی (۲) حسن بصری (۳) خالد بن معدان (۴) ابن شہاب زہری، (۵) یزید رقاشی (۶) ایوب سختیانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اس کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرام اور تابعین ہیں، جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تواترِ معنوی ثابت کرنے کے لیے کم از کم یہی تعداد کافی ہے۔ خصوصاً ان حضرات کی رائے کے مطابق جو سات یا دس راویوں کی بناء پر تواتر ثابت کرتے ہیں۔ حافظ سیوطی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ اعمال کے پیش کیے جانے کی روایت تمام اصطلاحات کے مطابق متواتر ہے، کیونکہ اس کے راویوں کے ہر طبقہ میں بیس سے زیادہ تعداد پائی جاتی ہے۔ فقہ و اصولِ فقہ اور کلام میں ثابت ہے کہ دلیل سے ثابت ہو جانے کے باوجود، امرِ متواتر کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

قاضی اسمٰعیل، فضل الصلاۃ علی النبی میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا، جب تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو خوب عمدہ طریقے سے بھیجو، کیونکہ تم کیا جانو؟ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا جائے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لینے والے محض زبان درازی کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ چھوٹے اور بڑے لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے، لیکن تمام کتبِ حدیث اس سے خالی ہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے باوجود اس کو روایت کرنے والے نے اسے بکر بن عبداللہ مزنی مشہور تابعی سے موقوفاً روایت کیا ہے، حدیث کی روایت کرنے والوں میں کسی نے بھی صحابی کا ذکر نہیں کیا، نہ کسی صحیح کتاب میں اور نہ ضعیف میں اور یہ منقطع ہے اور ناقابلِ استدلال۔

مستند محدث شیخ عبداللہ الصدیق نے اپنی تصنیف قضایا الوسیلۃ میں جو تقریر کی ہے، اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حدیث مذکور، حدیث صحیح ہے، اس پر کوئی اعتراض اور اشکال نہیں ہے، یہ حدیث حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ نیز اسے بکر بن عبداللہ مزنی نے مرسلاً روایت کیا ہے۔

امام بزار نے اپنی سند سے حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس طرح روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابو داؤد نے سفیان سے انہوں نے عبداللہ بن سائب سے انہوں نے زاذان سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان

کی کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گردش کرتے رہتے ہیں، جو مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔
نیز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم نئے نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے، اچھے اعمال دیکھ کر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور بُرے اعمال دیکھ کر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعائے مغفرت کروں گا۔"

امام بزار فرماتے ہیں ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صرف اسی سند سے مروی ہے۔

حافظ عراقی نے طرح التثریب فی شرح التقریب کی کتاب الجنائز میں کہا کہ اس کی سند جید ہے۔ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں محدث قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا کہ اس کی سند کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ حافظ سیوطی نے المعجزات والخصائص میں فرمایا اس کی سند صحیح ہے، اسی طرح ملا علی قاری اور علامہ شہاب الدین خفاجی نے اپنی اپنی شرح شفا کی ابتداء میں فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حرث بن ابواسامہ نے اپنی مسند میں اور ابن عدی نے الکامل میں بروایت خراش، حضرت انس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے، تم طرح طرح کے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم بیان کیا جاتا ہے۔ جب میرا وصال ہو گیا، تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہو گی، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے، اگر میں نے اچھے اعمال دیکھے، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور اگر اس کے برعکس دیکھے، تو تمہارے لیے دُعائے مغفرت کیا کروں گا۔

حافظ عراقی نے المغنی میں کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ خراش ضعیف ہیں۔

لیکن میں (رفاعی) کہتا ہوں کہ اس کی ایک اور سند بھی ہے۔ حافظ ابو نصر حسن بن محمد بن ابراہیم یونارتی اصبہانی اپنی معجم میں فرماتے ہیں، میں نے شریف واضح بن ابی تمام زینبی کو فرماتے ہوئے سنا

کہ میں نے ابوعلی بن تومہ سے سُنا کہ غرباء کی ایک جماعت ابوحفص بن شاہین کے پاس جمع ہوئی اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں وہ اعلیٰ روایت سنائیں جو آپ کے پاس ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں تمہیں وہ حدیث بیان کروں گا جو میرے پاس اعلیٰ روایات میں سے ہے۔ ہمیں عبداللہ بن محمد بغوی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان بن فروخ ایلی نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں نافع ابوہرمز سجستانی نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ اس کے بعد پوری حدیث بیان کی (جیسے کہ اس سے پہلے حدیث بیان ہوئی)

ابن نجار نے یہ حدیث تاریخ بغداد میں معمر بن محمد اصبہانی سے روایت کی ہے، انہوں نے حافظ ابونصر یونارتی سے سند سابق سے روایت کی، اگرچہ یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ محدثین ابوہرمز کے ضعف پر متفق ہیں، لیکن یہ ضعف، تعددِ روایت کی بناء پر دُور ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے جو ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں ہمیں عبداللہ بن محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی انہیں احمد بن عیسیٰ بن ماہان رازی نے انہیں محمد بن مصفی نے انہیں بقیہ نے انہیں عباد بن کثیر نے عمران القصیر سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: میری امت کے اعمال، ہر جمعہ کے دن میرے سامنے پیش کیے جائیں گے اور زانیوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب شدید ہے۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی کی مُرسل حدیث، حرث بن ابواسامہ نے اپنی مسند میں بیان کی، وہ فرماتے ہیں، ہمیں حسن بن قتیبہ نے، انہیں جسر بن فرقد نے بکر بن عبداللہ مزنی سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم نئے نئے کام کرتے ہو اور تمہیں حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے۔

تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے، اچھے کاموں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور برے اعمال پر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کروں گا ــــ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، کیونکہ حسن بن قتیبہ ضعیف ہیں، لیکن یہ ضعف متابعات اور شواہد وغیرہ کی بنا پر دور ہو جائے گا۔

قاضی اسماعیل مالکی نے یہ حدیث ایک دوسری سند سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے انہیں حماد بن زید نے غالب القطان سے اور انہوں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے حدیث سابق مرفوعاً بیان کی، یہ صحیح سند ہے۔ حافظ ابن عبدالہادی نے معاند ہوتے ہوئے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ قاضی مالکی نے یہ بھی فرمایا کہ ہمیں حجاج بن منہال نے، انہیں حماد بن سلمہ نے کثیر ابوالفضل سے انہوں نے بکر بن عبداللہ سے حدیث سابق مرفوعاً بیان کی اور یہ بھی سند صحیح ہے۔

اس سلسلے میں عبدالعزیز کے والد سعید شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سوموار اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور انبیاء کرام، آباء اور امہات کے سامنے جمعہ کے دن پیش کیے جاتے ہیں، تو ان کے چہروں کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اذیت نہ دو۔ یہ حدیث حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں بروایت عبدالغفور بن عبدالعزیز بن سعید الشامی بیان کی، انہوں نے ان کے دادا حضرت سعید شامی صحابی سے روایت کی، یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ عبدالغفور ضعیف ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے سامنے اپنے ناموں اور ذوات سمیت پیش کیے جاؤ گے، لہٰذا مجھ پر اچھی طرح درود بھیجا کرو۔" یہ حدیث محدث عبدالرزاق نے بیان کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اس پر کوئی طعن نہیں ہے[1] اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اعمال کو جانتے ہیں، ہمارے اعمال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، آپ ہمارے بُرے اور قبیح اعمال پر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خبر دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہیں اور اس کا تقاضا ہے کہ آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جائیں تاکہ آپ مشاہدے اور علم کی بنا پر گواہی دے سکیں۔

ابن مبارک فرماتے ہیں ہمیں انصار کے ایک شخص نے منہال بن عمرو سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیّب کو فرماتے ہوئے سُنا کہ ہر دن صبح اور شام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی اُمت پیش کی جاتی ہے، تو آپ انہیں ان کے ناموں اور اعمال سے پہچانتے ہیں، اسی لیے ان کے حق میں گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (النساء ۴، آیت ۴۱)

تو اُس وقت کیا حال ہوگا؟ جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اے حبیب! ہم تمہیں ان سب پر گواہ لائیں گے۔

امام قرطبی نے تذکرہ میں ایک باب قائم کیا ہے "وہ دلائل جن سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے گواہی دیں گے۔" پھر حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ روایت بیان کی، اس کے بعد فرمایا: اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ہر سوموار اور جمعرات کو

---

[1] اور یہ اس لیے کہ جب کوئی سند ضعیف ہو، اس کے ساتھ صحیح سند بھی موجود ہو اور وہ ضعیف دوسرے طریقے سے بھی مروی ہو تو وہ درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے جو تمام علماء کے نزدیک مقبول ہے۔ خصوصاً جبکہ اسے اس سلسلے کی ہم معنی روایات سے تقویت بھی مل جائے، لہٰذا اس سلسلے کی کسی ایک سند میں ضعف پایا جائے، تو وہ ختم ہو جائے گا، خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا مرسل ۱۲ رفاعی

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن انبیاء کرام اور آباء و اُمہات کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور ان روایات میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جمعہ کے دن بھی اعمال پیش کیے جاتے ہوں اور خاص طور پر آپ کے سامنے ہر روز بھی پیش کیے جاتے ہوں۔

امام طبرانی سند ضعیف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا (الاحزاب ۳۳/۴۵) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن جانے کا حکم دے چکے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا: تم دونوں جاؤ، خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ، آسانی فراہم کرو، نہ کہ تنگی، کیونکہ مجھ پر آیت نازل ہوئی ہے (جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے) اے نبی! ہم نے تمہیں تمہاری اُمت کے لیے گواہ بنا کر بھیجا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا اور جہنم کا ڈر سنانے والا اور اللہ کی اجازت سے کلمۂ طیبہ کی گواہی کی طرف بلانے والا اور سراجِ منیر قرآن کے ساتھ ——

آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک، اعمال پیش کرنے کی تائید کر رہا ہے اور اسے تقویت فراہم کرتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ اُمت دوسری اُمتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور کسی حدیث یا اثر میں وارد نہیں ہے کہ دوسری اُمتوں کے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں (نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گواہی دینے سے کس طرح ثابت ہوگا کہ اُمت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں) —— اس سوال کے دو جواب ہیں:

۱۔ اعمال کا پیش کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے کہ قبرِ انور میں آپ کی حیاتِ طیبہ کا شہداء کی حیات سے اعلیٰ و اکمل ہونا اور آپ کے جسم انور کا کسی بھی تبدیلی سے محفوظ ہونا (عام لوگوں کی نسبت سے) آپ کی خصوصیت ہے۔

۲۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ یہ اُمت اس لیے گواہی دے گی کہ اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، جب یہ گواہی دے گی کہ انبیاء کرام نے اپنی اپنی اُمتوں کو

تبلیغ فرمائی تھی، تو اسے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو یہ امت کہے گی کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی تھی کہ رسولانِ گرامی علیہم السلام نے تبلیغ فرمائی تھی تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے اور ظاہر ہے۔

سوال: آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جسے امام طبرانی وغیرہ نے حضرت محمد بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قاری کو قرأت کا حکم دیا، انہوں نے تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہنچے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ۔ تو آپ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کے جبڑوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: میرے رب! میں جن لوگوں کے درمیان موجود ہوں، ان کا تو میں نے مشاہدہ کیا، لیکن جن لوگوں کو میں نے نہیں دیکھا، ان کے بارے میں کیسے گواہی دوں گا؟ ——— بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث، اعمال کے پیش کئے جانے کے منافی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث، اعمال کے پیش کئے جانے کی نفی نہیں کرتی، بلکہ ثابت کرتی ہے اور یہ ان اسباب میں سے ہے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت و کرامت عطا فرمائی، حتیٰ کہ آپ اپنی امت کے بارے میں مشاہدہ پر گواہی دیں گے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے آپ کی امت، دوسری امتوں سمیت پیش کر کے آپ کی عزت و عظمت کا اظہار فرمایا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے جیسے کہ صحیحین میں ثابت ہے۔

رہا یہ کہنا کہ تمام کتبِ حدیث، اس حدیث سے خالی ہیں، تو یہ جھوٹ اور جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ یہ حدیث، بہت سی کتبِ حدیث میں موجود ہے، مثلاً طبقاتِ ابنِ سعد، مسند بزار، مسند حارث، تاریخ ابن نجار، طرح التثریب للحافظ العراقی، حافظ ہیثمی کی مجمع الزوائد اور بغیۃ الباحث بزوائد مسند الحارث، حافظ سیوطی کی جامع صغیر، جامع کبیر

اور خصائص کبریٰ، امام قسطلانی کی شرح بخاری اور علامہ متقی ہندی کی کنز العمال وغیرہ۔

اور یہ کہنا کہ یہ حدیث بکر بن عبداللہ مزنی پر موقوف ہے (یعنی ان کا قول ہے) تو یہ ایسی غلطی ہے جو جہالت کی پیداوار ہے، ایسی حدیث کو موقوف نہیں کہا جاتا اور نہ ہی کسی صورت میں اس پر موقوف کی تعریف صادق آتی ہے (یعنی تابعی نے صحابی کا ذکر کیے بغیر ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان روایت کیا ہے) ایسی حدیث کو مُرسل کہتے ہیں نہ کہ موقوف۔

اور یہ کہنا کہ حدیث کے کسی راوی نے، کسی بھی صحیح یا ضعیف کتاب میں صحابی کا ذکر نہیں کیا، تو یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی بنیاد جہالت پر ہے، کیونکہ یہ حدیث حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

اور اس حدیث کا معنیٰ حضرت سعید شامی اور مجاہد کی روایت سے ثابت ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے، بلکہ اس حدیث کی روایات کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے، لہٰذا یہ ہر اعتبار سے صحیح ہے اور اس کے ضعیف ہونے کا قول صحیح نہیں ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی صاحب علم یا طالب علم کے لیے اس حقیقتِ شرعیہ کا انکار کر سکتا ہے۔

عالم برزخ میں رشتہ داروں کے سامنے

اعمال کا پیش کیا جانا!

حافظ ابن کثیر، آیتِ کریمہ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ (التوبۃ ۹، ۱۰۵) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ احادیث میں وارد ہے کہ برزخ میں زندوں کے اعمال قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، پھر انہوں نے امام ابوداؤد طیالسی کی سند سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے اعمال، تمہارے

قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے افراد پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر اچھے ہوں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر ایسے نہ ہوں، تو کہتے ہیں اے اللہ! انہیں توفیق عطا فرما کہ تیری فرمانبرداری کے کام کریں۔ اس کے بعد امام احمد کی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اعمال، تمہارے قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے مُردہ افراد کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اگر اچھے ہوں تو اُن سے خوش ہوتے ہیں، بصورتِ دیگر کہتے ہیں: اے اللہ! انہیں موت سے پہلے ہدایت عطا فرما، جیسے تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔

امام ابن مبارک اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ تمہارے اعمال، تمہارے مُردوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، چنانچہ وہ خوش ہوتے ہیں یا رنجیدہ ہوتے ہیں، پھر انہوں نے دُعا کی: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، ایسا کام کرنے سے جس کے سبب میں اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بے عزت ہو جاؤں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سوموار اور جمعرات کو اعمال، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں، جمعہ کے دن انبیاء کرام اور آباء و اُمہات کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، تو وہ ان کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو اذیت نہ دو ____ حافظ سیوطی، یہ حدیث جامع صغیر میں بیان کر کے فرماتے ہیں، اسے حکیم ترمذی نے عبدالعزیز رامز الحسنہ کے والد سے روایت کیا۔

ابو عبداللہ قرطبی، اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔ ہر دن صبح و شام، اُمّتِ مسلمہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی جاتی ہے، آپ انہیں ان کے ناموں اور عملوں سے پہچانتے ہیں، اسی لیے ان کے حق میں گواہی دیں گے۔

ابوعبداللہ قرطبی فرماتے ہیں کہ سابقہ روایت اور حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ویگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جمعہ کے دن بھی پیش کیے جاتے ہوں اور ہر دن بھی اور یہ آپ کی خصوصیت ہو، جیسے کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

ہم ابن منیع اور ان کی جماعت کے اس حقیقتِ شرعیہ کے انکار پر اپنے رد کے آخر میں جو بہترین حوالہ پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ حافظ زین الدین ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ کا قول ہے، وہ کہتے ہیں:

"برزخ میں امت کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، لہٰذا بندے کو اس بات سے شرمانا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ایسا عمل پیش کیا جائے جس سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

لطائف المعارف فی ما لمواسم العام من الوظائف۔

(دار الجیل، بیروت) ص ۹۱)

فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ؟ (الاعراف، ۷، ۱۸۵)

اس کے بعد وہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟

نویں فصل

سُنّت و بدعت کا صحیح مفہوم

میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں سنت و بدعت کے بارے میں الگ فصل میں گفتگو کرنے کا وعدہ کیا تھا، کیونکہ سنّت و بدعت کے مفہوم اور احادیث نبویہ شریفہ کے سمجھنے میں غلطی واقع ہونے کے سبب ہی بعض مشائخ اور ان کے شیوخ مخالفین، اہل قبلہ موحدین کو بدعتی اور کافر و مشرک کا خطاب دیتے ہیں جیسے کہ شیخ ابن منیع اور تویجری کا خصوصًا اور ان کے ساتھیوں کا عمومًا رویہ ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس اہم اور مختلف فیہ موضوع کے بارے میں ایک قیمتی بحث، اس کتاب میں شامل کردوں، یہ غیر مطبوع بحث مجھے اس کے مؤلف اور حضرموت کے سابق رئیس قضاء شرعی، سید عبد اللہ بن محفوظ باعلوی، حسینی، حضرمی نے بنفسِ نفیس عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں یہ تحقیق مکمّل طور پر شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اس کے چند مفید اقتباسات اور پیرے ذکر کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دل بیدار اور گوش ہوش سے سننے والے کو فائدہ پہنچے گا۔

سُنّت و بدعت

سُنّت و بدعت، صاحب شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے کلام میں دو متقابل چیزیں ہیں، چونکہ یہ دونوں ضدیں ہیں اور اشیاء اپنی ضدوں کے سبب واضح ہوتی ہیں، اس لیے ان میں سے کسی ایک کی تعیین، اس کی ضد کی تعیین پر موقوف ہے، بہت سے مؤلفین بجائے اس کے کہ پہلے سنّت کی تعریف اور تعیین بیان کرتے، کیونکہ وہ اصل ہے، بدعت کی تعریف کرنے بیٹھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسے چکر میں پڑ گئے جس سے نکلنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا اور انہیں ایسے

دلائل سے متصادم ہوتا پڑا جو ان کی بدعت کی تعریف کے منافی ہیں، اگر وہ پہلے سنت کی تعیین کر دیتے تو انہیں ایک ایسا ضابطہ مل جاتا جو کہیں نہ ٹوٹتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے سنت کے اپنانے کی ترغیب دی، پھر اس کے مقابل بدعت سے اجتناب کی تلقین فرمائی، جیسے کہ آپ آئندہ احادیث میں دیکھیں گے۔

۱- امام مسلم، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیتے، تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور آپ فرماتے:

حمد و ثناء کے بعد! بیشک بہترین کلام، اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ بُرے امور وہ ہیں جو نو پیدا ہوں، ہر (مخالف شریعت) نو پیدا کام بدعت ہے اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے ___ امام بخاری نے یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کی۔

۲- دوسری حدیث اس حدیث کی وضاحت کرتی ہے جسے امام ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن اور صحیح قرار دیا۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بڑا بلیغ وعظ فرمایا جس سے دل دہل گئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وداع کرنے والے کا وعظ ہے، ہمیں وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ عزّ وجلّ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اس کے علاوہ اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیتا ہوں، اگرچہ حبشی غلام، تم پر امیر بن بیٹھے۔ میرے بعد جو زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا، اسے ڈاڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑنا اور نو پیدا امور سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

۳- امام مسلم کی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ حدیث بھی اس حدیث

کی وضاحت کرتی ہے کہ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا، تو اُس کے لیے اس کا ثواب ہے، اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہے، جبکہ بعد والوں کے ثواب میں بھی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں بُرا طریقہ نکالا، تو اس پر اس کا گناہ ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہے، جبکہ بعد والوں کے گناہوں میں بھی کمی نہیں کی جائے گی

اس کے علاوہ متعدد حدیثیں ہیں، جن کا یہی مفہوم ہے، مثلاً امام مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جس نے نیکی پر راہنمائی کی تو اُس کے لیے اس پر عمل کرنے والے کی مثل ثواب ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مسلم کی روایت کردہ حدیث میں ہے جو شخص ہدایت کی طرف بلائے، اس کے لیے پیروی کرنے والوں کے مثل ثواب ہے اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے، تو اس کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس پر عمل کرنے والوں کے لیے ہے (آخر حدیث تک)

آپ دیکھتے ہیں کہ پہلی حدیث میں بدعت اور نو پیدا امر کا مقابلہ نبوی ہدایت سے کیا گیا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہی بہترین سیرت ہے اور آپ کی سیرت کا مخالف، نو پیدا امر شر اور بدعت ہے۔

لغت عرب اور اصطلاح شریعت میں سنت کا معنی ہے طریقہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق وہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ تم ضرور پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کروگے، یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً۔ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا (یہاں تک کہ فرمایا) وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً جس نے اسلام میں بُرا طریقہ رائج کیا، اس حدیث میں بھی سنّت بمعنی طریقہ ہے۔

کسی چیز کے قبول کرنے یا رد کرنے اور سیرت میں معتبر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

طریقہ ہی ہے اور وہی سنت ہے۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں سنت بمعنی طریقہ استعمال کی گئی ہے۔ سنتِ حسنہ یعنی اچھا طریقہ اور سنتِ سیئہ یعنی برا طریقہ۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔ عوام تو عوام عام طالب علم بھی جو معنی سمجھتے ہیں، یعنی سنت کا معنی حدیثِ نبوی یا فرض کے مقابل، وہ مراد نہیں ہے، کیونکہ پہلا معنی، محدثین کی اصطلاح ہے اور دوسرا معنی فقہاء اور علماء اصول کی اصطلاح ہے اور یہ دونوں اصطلاحیں جدید ہیں اور حدیث میں ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت، آپ کا وہ طریقہ ہے کام کرنے، حکم دینے، قبول کرنے اور رد کرنے میں اور یہی آپ کے خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جنہوں نے امر اور فعل، قبول اور رد میں آپ کے طریقے کو اختیار کیا۔ لہذا ہر نو پیدا امر کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور قبول ورد میں آپ کے طریقہ پر پیش کرنا ہوگا۔

امام راغب اصفہانی، مادہ سُنَن کے تحت فرماتے ہیں۔ سُنَن جمع ہے سُنت کی، سُنّۃُ الوَجہِ چہرے کا طریقہ، سُنّۃُ النّبیِّ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ طریقہ جسے آپ اختیار فرماتے تھے۔ سُنّۃُ اللّٰہِ کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ (۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (الفتح ۴۸، ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ، جو اس سے پہلے گزر چکا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (الفاطر ۳۵، ۴۳)

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا (الفاطر ۳۵، ۴۳)

تو اللہ تعالیٰ کے طریقہ حکمت میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔

مطلب یہ کہ شریعتوں کے احکام کی صورتیں اگرچہ مختلف ہیں، لیکن ان کا مقصود، اختلاف

، اور تبدیلی سے پاک ہے اور وہ ہے نفس کی تطہیر اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور ثواب تک پہنچنے کے لیے تیار کرنا (مفردات القرآن ص ۲۴۵)

حافظ ابن تیمیہ اپنی کتاب الاقتضاء میں کہتے ہیں کہ سنتِ جاہلیت، ہر وہ عادت ہے جس پر لوگ دورِ جاہلیت میں کاربند تھے، کیونکہ سنت کا معنی عادت ہے اور وہ طریقہ جس پر بار بار چلا جائے تا کہ وہ لوگوں کی مختلف قسموں کے لیے وسیع ہو جائے، خواہ اسے عبادت شمار کیا جائے یا نہ (الاقتضاء ص ۷۶)

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں خصالِ فطرت میں فطرت کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں بعض روایات میں فطرت کی جگہ لفظ سنت واقع ہے، اس سے مراد طریقہ ہے نہ کہ واجب کا مقابل، ابو حامد اور ماوردی وغیرہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور انہوں نے فرمایا: اس حدیث میں سنت سے طریقہ مراد ہے جیسے کہ دوسری حدیث عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ میں بھی طریقہ ہی مُراد ہے۔

جب ان تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس سنت کو بدعت کے مقابل ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد طریقہ ہے تو ہمیں ان امور کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کرنا چاہیے جو آپ کے زمانہ مبارکہ میں رائج کیے گئے، لیکن وہ آپ کے فرمان یا خصوصی حکم کی بناء پر نہیں کیے گئے تھے، بلکہ صحابہ کرام نے اجتہادی طور پر انہیں جائز سمجھا اور ان کو عمل میں لائے اور ہمیں قبول یا رد کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ تلاش کرنا چاہیے۔ اس تلاش سے ہمیں بعد میں پیدا ہونے والے امورِ خیر کے بارے میں آپ کا طریقہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا۔ پس جو فعل آپ کے طریقہ کے مطابق ہوگا، وہ سنت میں داخل ہوگا اور جو آپ کے طریقے اور سیرت کے خلاف ہوگا، وہ بدعت میں داخل ہوگا اور اس طریقے کے جان لینے سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ان احادیثِ صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے جن کا ذکر ہم اس سے پہلے کتبِ صحاح کے حوالے سے

کر چکے ہیں، مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی ـــــــــ مَنْ دَعَا اِلٰی خَیْرٍ ـــــــــ مَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ ـــــــــ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کس چیز کا قبول کرنا واجب ہے اور کس کا رد کرنا واجب۔

عنقریب ہمارے سامنے سنّت اور بدعت کا فرق واضح ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کے عہد میں پیدا ہونے والے امور تلاش کریں تاکہ ہمیں پتا چلے کہ اُن کا اِن امور کے بارے میں کیا طریقہ رہا؟ اسی طرح ہم ان امور کو دیکھیں گے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رد فرمایا، ہو سکتا ہے کوئی شخص کہے کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے برقرار رکھا وہ اس لیے سنّت ہو گا کہ آپ نے اسے برقرار رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بلا شک وشبہ صحیح ہے، لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے قبول کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت اور آپ کا طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں آپ نے برقرار رکھا، لیکن وہ سنّت نہیں بنیں اور کسی نے ان کو سُنّت شمار نہیں کیا، اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہی افضل اور زیادہ لائقِ اتباع ہے تاہم آپ کا کسی عمل پر انکار نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کسی ایسے امرِ خیر کا انکار نہیں فرماتے جو آپ کی تصریح کے خلاف نہ ہو، اس پر کوئی فساد مرتّب نہ ہو اور وہ آپ کی سیرت کے مخالف بھی نہ ہو، دراصل وہ امر، اس خیر کا فرد ہو گا جو آپ لائے ہیں۔

علماء کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ جس کام کے طلبِ خاص یا طلبِ عام کے ساتھ شرعی طور پر مطلوب ہونے پر دلیل قائم ہو جائے، وہ بدعت نہیں ہے، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر اسے کیا نہ ہو اور خصوصی طور پر اس کا حکم بھی نہ دیا ہو، یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ جیسے کہ ہم دسیوں احادیثِ صحیحہ اور حسنہ میں دیکھیں گے۔ اسی طرح آپ کے خلفاء راشدین اور پیکرِ رشد و ہدایت صحابۂ کرام کا طریقہ تھا۔ ہم ان کے افعال سے کئی دلائل پیش کریں گے اور یہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ مجموعی طور پر دلائل

سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کے افعال کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول کیا، وہ جنس مشروع سے ہیں اور جس قسم کے افعال کو آپ نے رد فرمایا، وہ یا تو جنسِ مشروع سے نہیں یا ان میں تشدد اور رہبانیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کی آسانی کے پیشِ نظر پسند نہیں فرمایا کہ اُمت ان افعال کو اختیار کرے یا اس لیے کہ وہ افعالِ شریعت کی نص کے مخالف ہیں، ان دلائل سے واضح ہو جائے گا کہ سنّت کیا ہے اور بدعت کیا؟

پہلے ہم ان افعال کی متعدد مثالیں پیش کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود تو نہیں کیے، لیکن صحابہ کرام سے قبول فرمائے، بلکہ بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا تھا کہ وہ افعال، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے کے مخالف ہیں، حالانکہ وہ جائز اور مشروع ہیں۔

نو پیدا امور کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقِ کار

برادرِ دینی و ایمانی! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حق اور راہِ راست کی ہدایت عطا فرمائے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کثیر التعداد احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ کرام نے کئی ایسے اعمال و اذکار اور کئی ایسی دعائیں اختیار کیں جنہیں نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا اور نہ ہی ان کا حکم دیا تھا، صحابہ کرام نے انہیں اس لیے اختیار کیا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اعمال وغیرہ اس خیر میں داخل ہیں جسے اسلام اور رسولِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں عمومی طور پر اس کی مثل پر ابھارا ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؁ "تم اچھے کام کرو (الحج ۲۲: ۷۷) اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ" اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان: جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا، تو اسے اس کا ثواب ہے اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا ثواب

ہے، جب کہ بعد والوں کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی، یہ حدیث اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔
یہ حدیث اگرچہ صدقہ کے بارے میں واقع ہوئی ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے، کیونکہ اصولِ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے، نیا طریقہ اختیار کر لے، کیونکہ اسلام کے قواعد و ضوابط متعین ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ جو نیا طریقہ اختیار کیا جائے، وہ اسلام کے قواعد و ضوابط اور دلائل و شواہد کے دائرے میں ہو، اسی بناء پر متعدد صحابۂ کرام نے اپنے اجتہاد سے کئی نئے کام کیے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت اور آپ کا طریقہ یہ ہوا کہ جو عبادت اور کارِ خیر، شریعت کے مخالف نہ ہو، بلکہ موافق ہو، اسے قبول کیا جائے اور جو مخالف ہو اسے رد کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ وہ سنّت اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر آپ کے خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام عمل پیرا ہوئے اور علماء کرام نے اسی سے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ ہر نو پیدا چیز کو شریعت کے قواعد اور اس کی نصوص پر پیش کرنا ضروری ہے۔ شریعت جس چیز کے حُسن کی گواہی دے، وہ حَسَن اور مقبول ہے اور جس کے خلاف اور قبیح ہونے کی گواہی دے، وہ مردود ہے اور بدعتِ مذمومہ ہے۔ بعض اوقات پہلی قسم کو نو پیدا ہونے کے سبب، لغوی طور پر بدعتِ حَسَنہ کہہ دیتے ہیں، ورنہ واقع میں وہ شرعی بدعت نہیں ہے، بلکہ وہ سنّتِ مُستنبطہ ہے کیونکہ شریعت کے دلائل و شواہد اس کے مقبول ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کے بارے میں فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ هٰذِہٖ۔ "یہ اچھی بدعت ہے۔" انہوں نے تراویح کو لغوی معنی کے اعتبار سے ہی بدعت فرمایا۔
بعض لوگوں نے ظاہرِ حدیث اور لفظ بدعت کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے بدعتِ حسنہ کا انکار کر دیا، بلکہ بعض نے تو یہاں تک جرأت کی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ (یہ اچھی بدعت ہے) ہی رد کر دیا اور کہہ دیا کہ بدعت میں حُسن ہوتا ہی نہیں ہے۔
ہم اس گفتگو کو یہیں چھوڑتے ہیں اور عملِ صحابہ سے وہ شواہد پیش کرتے ہیں جن کی طرف ہم

نے اشارہ کیا تھا کہ نئے امور ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمایا تھا، کیونکہ یہ فصل اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی ہے۔

پہلی حدیث:

پہلی حدیث امام بخاری و مسلم اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فجر کی نماز کے وقت فرمایا: اے بلال! مجھے وہ عمل بتا جو تو نے اسلام میں کیا ہو اور اس پر اجر و ثواب کی بہت امید ہو، کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے قدموں کی چاپ سنی ہے، انہوں نے عرض کیا میں نے اس سے زیادہ امیدِ ثواب والا کوئی کام نہیں کیا کہ جب بھی میں نے دن یا رات میں وضو کیا، تو اس وضو سے میں نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی۔ امام ترمذی کی روایت میں ہے جسے انہوں نے حسن اور صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: تم کس سبب سے مجھ سے پہلے جنت میں پہنچے؟ انہوں نے عرض کیا، میں نے جب بھی اذان کہی تو دو رکعتیں ادا کیں اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا تو میں نے وضو کیا اور یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعت ادا کرنا مجھ پر لازم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بِهِمَا (یعنی اسی سبب سے تو نے یہ مقام پایا) امام حاکم نے بھی یہ حدیث روایت کی اور کہا کہ یہ بشرطِ شیخین صحیح ہے۔ علامہ ذہبی نے اس تصحیح کو برقرار رکھا۔

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی عبادت کا وقت مقرر کرنے میں اجتہاد جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اجتہاد کی بناء پر ہر وضو کے بعد نماز ادا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تائید فرمائی۔[1]

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس حدیث میں ہے، وہ پہلے شہید ہیں جنہوں نے حالتِ قید میں شہید کیے جانے سے پہلے نماز ادا کرنے کی سنت قائم کی۔[2]

---

[1] دیکھیے فتح الباری، ج ۳، ص ۲۷۶ [2] ایضاً: ج ۸، ص ۳۱۳

ان احادیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عبادت کا وقت مقرر کرنے میں اجتہاد سے کام لیا، حالانکہ اس سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل، اس سلسلے میں وارد نہیں ہوا تھا، ہاں عام ترغیب تھی اور یہ فرمان تھا کہ نماز سراپا خیر ہے چاہے اس سے کم حصہ حاصل کر و یا زیادہ، جیسے کہ حدیث میں ہے۔ اگر کوئی شخص اوقاتِ ممنوعہ میں نماز ادا کرنا چاہے تو اس میں دو مذہب ہیں: (۱) جن کے نزدیک یہ ممانعت اپنے عموم پر ہے، ان کے نزدیک اوقاتِ ممنوعہ میں نماز ادا کرنا بدعت ہے (۲) جن کے نزدیک نفلِ مطلق کی ممانعت ہے، ان کے نزدیک بدعت نہیں ہے۔ حضراتِ شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نماز کی ممانعت ہے جس کا وقت معین نہ ہو اور جس کا کوئی سبب نہ پایا گیا ہو، سنّتِ وضو میں شافعیہ کا اختلاف ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ وقتِ ممنوع میں سنّتِ وضو کی ادائی سے منع کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: وضو، نماز کے لیے کیا جاتا ہے، نماز اس لیے نہیں پڑھی جاتی کہ وضو کیا گیا ہے (یعنی وضو نماز کے تابع ہے، نماز وضو کے تابع نہیں ہے) لہٰذا یہ نماز، سبب والی نہ ہوئی۔ ہر مجتہد کا اپنا طریقہ ہے اور اپنا اجتہاد ہے۔

دوسری حدیث:

دوسری حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہما کتاب الصلوٰۃ میں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کے باب میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت آپ کہتے: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ ایک مقتدی نے کہا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا مُّبَارَكًا فِيْهِ نماز پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے؟ صحابی نے عرض کیا: حضور! میں نے کہے ہیں۔ فرمایا: میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو لپکتے ہوئے دیکھا ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ یہ کلمات لکھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے

کہ نماز میں ایسا ذکر کرنا جائز ہے جو منقول نہ ہو، بشرطیکہ منقول کے مخالف نہ ہو اور یہ کہ بُلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے، جبکہ کسی کی پریشانی کا باعث نہ ہو۔

اسی طرح محدّث عبدالرزاق، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ صحابہ نماز پڑھ رہے تھے ایک صحابی نے صف میں شامل ہوتے ہوئے کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔ "اللہ سب سے بڑا، سب سے عظیم ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے حمد کثیر ہے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں"، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے؟ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے کہے ہیں اور ان سے میری مراد خیر کے سوا کچھ نہ تھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ان کلمات کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں جب سے یہ سُنا، میں نے یہ کلمات ترک نہیں کیے۔

امام نسائی نے یہ حدیث باب القول الذی یفتتح بہ الصلوٰۃ وہ قول جس کے ساتھ نماز شروع کی جاتی ہے میں روایت کی، اس روایت میں ہے بارہ فرشتے ان کلمات کی طرف لپکے۔ انہی کی ایک روایت میں ہے: مجھے یہ کلمات عجیب لگے، اس کے بعد جو ارشاد فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سُنا، میں نے یہ کلمات ترک نہیں کیے۔ یہ حدیث مُسلم شریف میں بھی ہے۔[۱]

---

[۱] یہ حدیث صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے امام ابوداؤد نے حضرت رافع درقی سے بھی روایت کی۔ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے والد سے راوی ہیں کہ ایک انصاری جوان کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے چھینک آئی تو انہوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ حَتّٰی یَرْضٰی رَبُّنَا مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ یہ کلمات کس نے کہے؟ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات اللہ تعالیٰ کے عرش تک پہنچنے سے پہلے نہیں رُکے ...

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حق تک رسائی کی توفیق عطا فرمائے۔ غور کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر کی زیادتی کی کس طرح تائید فرمائی؟ حالانکہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت یہ زیادتی آپ سے منقول نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ نے زائد کلمات کہنے والے صحابہ کے لیے اعلیٰ درجہ کی تائید اور خوشنودی کا اظہار فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ نماز کے یہ دونوں محل، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے مواقع ہیں۔

اس کے باوجود بعض تشدد پسندوں کا یہ قول ملاحظہ کیجیے کہ فجر کی نماز میں قنوت بدعت ہے، حالانکہ اس کی اصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اگرچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں کلام کیا گیا ہے۔ نیز بعض صحابہ کرام سے بھی منقول ہے۔ محدث عبدالرزاق، ابن جریج سے راوی ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے جمعہ کی نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: میں نے فرض نمازوں میں صبح کے علاوہ کسی نماز میں قنوت کے بارے میں نہیں سُنا۔ ہمارا مقصد قنوت اور اس کے سنت ہونے پر گفتگو کرنا نہیں، بلکہ ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بدعت کے بارے میں کس قدر تشدد کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ نماز میں دُعا کے مواقع میں دُعا کرنے کے بارے میں بھی تشدد کا اظہار کرتے ہیں۔

ہماری بیان کردہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں دُعا کے مواقع میں دُعا کرنا سنت ہے اور بدعت نہیں ہے، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعائیہ کلمات کہنے پر صحابہ کرام کی تائید فرمائی، لہٰذا یہ از قبیل منقول ہے اور جو اس طرح ہو، وہ سنت ہے، اگرچہ بعینہٖ وارد نہ ہو، اور اگر اس کے الفاظ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہوں اور نماز میں اُن کی جگہ بھی منقول ہو، تو اسے بدعت کیسے کہا جا سکتا ہے؟

جو کچھ قنوت کے بارے میں کہا جائے گا، وہی کچھ بسم اللہ شریف کے بُلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں کہا جائے گا۔ اس سلسلے میں بھی ان متشددین کا اختلاف جاری

رہنا ہے۔ لطیفہ یہ کہ یہ لوگ سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو اس کے ساتھ بسم اللہ شریف نہیں پڑھتے یا پڑھتے ہیں، تو آہستہ، جب اس کے بعد سورۃ پڑھتے ہیں، تو اس سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ کیا ان کے نزدیک فاتحہ، قرآن پاک کی سورت نہیں ہے؟ کیا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں ہے؟ کاش کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر خود عمل کرتے اور دوسروں پر دھونس نہ جماتے ــــــــــ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو صحابیوں کی اس امر پر تائید فرمائی کہ انہوں نے نماز میں ایسے کلمات ذکر کیے جو آپ سے منقول نہ تھے، اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہی محلِ استدلال ہے اور یہ ان دو صحابیوں کا اجتہاد اور استنباط ہی تھا۔

تیسری حدیث:

امام بخاری کتاب الصلاۃ کے باب الجمع بین السورتین فی الرکعۃ (ایک رکعت میں دو سورتوں کا جمع کرنا) میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک انصاری ہمیں مسجد قبا میں نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ جب بھی نماز میں کوئی سورت پڑھتے، اس سے پہلے پوری

لے قنوت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مضطرب ہیں، ابن قیم کہتے ہیں، وہ سب ثابت ہیں۔ امام شافعی نے حضرت انس کی حدیث کو اختیار کیا، وہ تمام عمر صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے۔ قنوت سے متعلق حضرت انس کی روایت کی طرح بسم اللہ کی حدیث میں بھی اضطراب ہے بلکہ اس میں زیادہ اضطراب ہے، کیونکہ وہ ایک ہی سند میں ہے جیسے کہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا، بسم اللہ کا اثبات اور اسے بلند آواز سے پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا دوسری سورتوں میں بلند آواز سے بسم اللہ کا پڑھنا ہے، فعل، ترک پر اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ اصول میں ثابت اور معلوم ہے۔ دیکھئے تنویر الحوالک بحوالہ التمہید ص ۷۹، ۸۰، ۱۲ رفاعی۔

نوٹ: احناف کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا منسوخ ہے اور بسم اللہ شریف کا آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار، فتح القدیر، عمدۃ القاری اور فتاویٰ رضویہ ۱۲ قادری

سورۂ اخلاص پڑھتے، پھر اس کے ساتھ دوسری سورت پڑھتے، وہ ہر رکعت میں اسی طرح پڑھتے۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ آپ پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں، پھر اسے کافی نہیں سمجھتے اور اس کے علاوہ ایک دوسری سورت پڑھتے ہیں، آپ یا تو سورۂ اخلاص کو رہنے دیا کریں اور دوسری سورت پڑھ لیا کریں (یا پھر سورۂ اخلاص پر اکتفا کیا کریں)، انہوں نے فرمایا: میں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر آپ پسند کریں تو میں امامت کراؤں گا اور اگر ناپسند کریں تو میں امامت چھوڑ دوں گا۔ صحابہ کرام، اہلِ قبا میں سے انہیں افضل جانتے تھے، لہٰذا کسی دوسرے کی امامت پسند نہیں کرتے تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے ہاں تشریف لائے تو صحابہ کرام نے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے اس انصاری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے ساتھی جو کچھ تمہیں کہتے ہیں، اس کی تعمیل سے تمہارے لیے کونسی چیز مانع ہے؟ اور ہر رکعت میں بالالتزام اس سورت کے پڑھنے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس سورت سے محبت رکھتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سورت سے تمہاری محبت، تمہیں جنت میں لے جائے گی۔"

یارسول اللہ، صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم

بات بات پر بدعت کی رٹ لگانے والوں کا آپ کی سیرتِ طیبہ سے کیا تعلق ہے؟

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی سے دو سوال کیے تھے: (۱) ساتھیوں کی بات ماننے سے مانع کیا ہے؟ (۲) ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ میں اس سورت سے محبت رکھتا ہوں، یہ براہِ راست دوسرے سوال کا جواب ہے، اور ایک بات کے اضافے سے پہلے سوال کا جواب بھی آجاتا ہے اور وہ ہے نماز میں سنّتِ معلومہ (طویل قراءت) کی ادائی، تو مانع دو چیزوں کا مجموعہ ہوا (۱) محبت اور (۲) سنّتِ معلومہ پر عمل اور باعث صرف محبت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اس صحابی کا عمل، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے ایک زائد چیز (ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کے پڑھنے) پر مشتمل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی خوشخبری دی۔

شاید یہ ہے کہ آپ ان سے محبت رکھتے تھے۔

علامہ ناصر الدین ابن المنیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مقاصد، فعل کے احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں، کیونکہ اگر وہ صحابی یہ کہتے کہ میں اس سورت کو بار بار اس لیے پڑھتا ہوں کہ مجھے کوئی دوسری سورت یاد نہیں ہے، تو ممکن تھا کہ آپ اسے کوئی دوسری سورت یاد کرنے کا حکم دیتے، لیکن انہوں نے تو عذر یہ پیش کیا کہ مجھے اس سورت سے محبت ہے جس سے ظاہر ہوا کہ ان کا مقصد صحیح ہے تو آپ نے ان کی تصویب فرمائی ——— ابن المنیر کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن پاک کے کسی حصے کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور اس حصے کا کثرت سے پڑھنا جائز ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ باقی قرآن پاک کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تائید اور اس صحابی کو جنت کی بشارت دینے کے باوجود، ہم نے کسی صحابی یا عالم کو نہیں پایا جس نے یہ کہا ہو کہ اس صحابی کا عمل سنت ثابتہ ہے، کیونکہ حفاظت اسی طریقے کی ہونی چاہیے جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو، لیکن اس حدیث سے ہمیں اس امر کی دلیل مل جاتی ہے کہ ایسا کام اگرچہ کسی حد تک بظاہر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے مختلف ہی ہو، جائز ہے۔ جب تک وہ شریعت کے دائرے میں رہے، کیونکہ دین میں بڑی گنجائش ہے۔ برخلاف فقاہت کے دعویداروں کے کہ انہوں نے دین کو تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔

چوتھی حدیث:

امام بخاری، کتاب التوحید میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک دستے کا امیر بنا کر بھیجا، وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے قراءت کرتے، تو آخر میں سورۂ اخلاص پڑھتے، مجاہدین نے واپسی پر یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ وہ اس طرح کیوں کرتا ہے، صحابۂ کرام نے اُن سے پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی

صفت ہے، اس لیے میں اس کی قراءت کو محبوب رکھتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھتا ہے ——— اسی طرح صحیح مسلم میں ہے، لہٰذا یہ حدیث متفق علیہ ہوئی۔

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں ابن دقیق العید کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ظاہر یہ ہے کہ وہ ہر رکعت میں قراءت کے آخر میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ صرف دوسری رکعت میں قراءت کے آخر میں یہ سورت پڑھتے ہوں ——— ان دونوں طریقوں سے کوئی طریقہ بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول نہ تھا، اس کے باوجود آپ نے اس صحابی کی اعلیٰ درجہ کی تائید فرمائی، یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت عطا فرمائی۔ [۱] کی بشارت

اس تائید و بشارت کے باوجود ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی عالم نے سابق حدیث کی طرح قراءت سے پہلے یا اس حدیث کی طرح قراءت کے بعد سورۂ اخلاص کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہو۔ بلاشبہ افضل طریقہ وہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو، لیکن صحابی کے عمل مذکور کی تائید فرمانے سے طاعت و عبادت کے ایسے طریقوں کے قبول کرنے میں آپ کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ ایسا طریقہ بدعت مذمومہ شمار نہیں کیا جائے گا جیسے کہ متشددین ایسے افعال کو بدعت اور گمراہی قرار دینے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔

اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص کو خصوصیت کے ساتھ پڑھنے والے صحابی مسجد قبا میں اپنی قوم کے امام تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ذکر ہے، وہ ایک دستے کے امیر تھے۔ وہ صحابی قراءت کا آغاز سورۂ اخلاص سے کرتے تھے اور یہ قرأت کے آخر میں پڑھتے تھے۔ اس صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی اور اس صحابی کو بشارت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس تفصیل کے پیش نظر ان واقعات کا متعدد ہونا واضح ہے۔ دونوں روایتوں میں نہ تطبیق کی گنجائش ہے نہ تاویل کی۔

---

[۱] دیکھیے فتح الباری، ج ۱۷، ص ۱۲۵

آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس سے پہلے پیش کردہ تمام حدیثیں نماز سے متعلق ہیں اور نماز، بدنی عبادات میں سے اہم ترین عبادت ہے اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے ان اجتہادات کو قبول فرمایا، کیونکہ ان کی وجہ سے نماز اس ہیآت سے خارج نہیں ہوتی، جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہے۔ شریعت کی مقرر کردہ حدود کا التزام ضروری ہے۔ اس کے علاوہ معاملہ میں وسعت ہے، جب تک کہ طریقِ مطلوب میں داخل رہے۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ اور یہ انتہائی واضح طریقہ ہے۔ اس سے علماء کرام کا بیان کردہ قاعدہ مستفاد ہوتا ہے کہ ہر وہ امر جس کے مطلوب ہونے کی شریعت گواہی دے اور وہ نہ تو کسی نص کے مخالف ہو اور نہ ہی اس پر کوئی فساد ہی مرتب ہو تو بدعت کی حدود میں داخل نہیں، بلکہ سنت میں داخل ہے، اگرچہ اس کا غیر اس سے افضل ہو، کیونکہ عبادات میں سے بعض افضل اور بعض مفضول، جب تک اصل عبادت برقرار رہے، تو ان میں سے کسی کے اختیار کرنے والے پر نہ تو طعن کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے بدعتی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اب ہم چند ایسے اجتہادات کا ذکر کریں گے جو نماز سے متعلق نہیں ہیں اور انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برقرار رکھا، آپ دیکھیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح ان کی تائید فرمائی ہے۔

پانچویں حدیث:

ایک صحابی کے دم کرنے کی روایت ہے جسے امام بخاری اپنی صحیح میں ایک سے زائد مقامات پر لائے ہیں۔ یہ روایت بَابُ النَّفْثِ فِی الرُّقْیَةِ (دم میں پھونک مارنا) میں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سفر پر روانہ ہوئی، راستے میں عرب کے ایک قبیلے کے پاس قیام کیا اور ان کے ہاں مہمان بننے کی خواہش کا اظہار کیا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ اس قبیلے کے سردار کو کسی چیز نے ڈس لیا،

انہوں نے بہت کوشش کی لیکن کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا اگر تم
اس جماعت کے پاس جاؤ جو تمہارے پاس ہے، ہو سکتا ہے ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز
ہو، چنانچہ وہ لوگ صحابۂ کرام کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارے سردار کو کسی چیز نے
ڈس لیا ہے، ہم نے اپنی سی ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی ہے، کیا آپ کے پاس کوئی چیز ہے؟
ایک صحابی نے فرمایا: ہاں بخدا! میں دم کرتا ہوں، لیکن ہم نے تم سے مہمانی طلب کی، مگر تم نے
مہمانی نہ کی، لہٰذا بخدا! میں اس وقت تک دم نہیں کروں گا، جب تک تم ہمیں معاوضہ نہیں دو گے
انہوں نے طے کیا کہ ہم بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے، وہ صحابی تشریف لے گئے، وہ الحمد شریف
پڑھتے جاتے تھے اور اس سردار پر آہستہ آہستہ تھوکتے جاتے تھے، یہاں تک کہ وہ بالکل
تندرست ہو گیا، جیسے وہ رسّی میں بندھا ہوا ہو اور اب رسّی کھل گئی ہو، اس کے چلنے پھرنے میں
بھی کوئی کجی نہ تھی۔ انہوں نے طے شدہ بکریاں اس صحابی کو دے دیں۔ اب صحابہ میں اختلاف رائے
ہو گیا۔ بعض نے کہا انہیں تقسیم کیا جائے۔ دم کرنے والے صحابی نے فرمایا: بارگاہِ رسالت میں
حاضر ہونے سے پہلے تقسیم نہ کرو، حاضر ہو کر واقعہ عرض کریں گے اور آپ کے حکم کا انتظار کریں گے
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا:
تجھے کس نے بتایا کہ سورۂ فاتحہ میں دم ہے؟ تم نے درست کیا، بکریاں تقسیم کر لو اور میرا حصہ بھی نکالو
حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الاجارہ میں فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ؟ تجھے کس نے
بتایا؟ یہ ایسا کلمہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب کرتے وقت بولا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی شے کی عظمت
بیان کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس جگہ یہی معنی لائق ہے۔ حضرت شعبہ کی روایت
میں یہ اضافہ ہے کہ راوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ممانعت کا ذکر نہیں کیا ——
سلیمان بن قتہ کی روایت میں وَمَا يُدْرِيكَ اَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم
ہے؟ کے بعد یہ اضافہ ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شے میرے دل میں ڈالی گئی
تھی، اُس نے میری راہنمائی کی۔ اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کو پہلے سے علم نہ تھا کہ فاتحہ

کے ساتھ دم کرنا جائز ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اجتہاد سے کیا اور چونکہ اس میں شریعت مبارکہ کی مخالفت نہ تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے عمل کو برقرار رکھا کیونکہ جو عمل خیر ہو، اور اس پر کوئی فساد مرتب نہ ہوتا ہو، اس کے برقرار رکھنے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقہ اور یہی سنت ہے، اگرچہ وہ نص کے اعتبار سے آپ کا عمل نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم نے درست کیا، مال تقسیم کرو اور اس میں میرا حصہ بھی نکالو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پُرزور طریقے سے ان کی تائید و تسکین فرمائی جیسے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا۔

چھٹی حدیث:

صحابہ کرام کا ایک اور واقعہ مروی ہے۔ ایک شخص کی عقل میں خلل واقع ہو گیا۔ ایک صحابی نے اس پر سورۂ فاتحہ پڑھی، تو وہ تندرست ہو گیا۔ امام ابوداؤد، امام ترمذی اور نسائی نے حضرت خارجہ بن صلت سے اور وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا، اُن کے ہاں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ایک پاگل تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس شخصیت (حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس سے خیر لے کر آئے ہیں۔ آپ ہمارے اس آدمی کو دم کر دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے سورۂ فاتحہ سے دم کیا۔ یہ حدیث حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کی۔

ساتویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کے کان میں تکلیف تھی۔ آپ نے قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر دم کیا، تو وہ صحیح ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم نے کیا پڑھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ (آیت ۱۱۵، ۲۳) سے لے کر سورۂ مومنون کے آخر تک کی آیات پڑھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی صاحب ایمان شخص یہ آیات پہاڑ پر پڑھے، تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے۔

حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اور حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ[1] میں فرمایا، اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان کی حدیث حسن ہے۔

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مریض پر سورۂ مؤمنون کی آخری آیات پڑھنے کی تائید فرمائی۔ انہوں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سُنی تھی، بلکہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے دریافت کی تھی، چونکہ یہ اچھا کام تھا اور شریعت کے کسی حکم کے مخالف نہ تھا، اس لیے آپ نے اُن کی تائید فرمائی جیسے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے والے صحابی کی تائید فرمائی۔ اسی طرح امام ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کی روایت کے مطابق سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے والے صحابی کی تائید فرمائی اور یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔ ایک حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور دوسرا ان کے چچا حضرت خارجہ ابن الصلت سے مروی ہے تیسرا واقعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ایک چوتھا واقعہ ابن حبان نے حضرت علاقہ ابن حجار سے روایت کیا ہے جیسے کہ آٹھویں حدیث میں آ رہا ہے۔

آٹھویں حدیث :

ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت علاقہ ابن حجار سلیطی تمیمی سے راوی ہیں کہ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، واپسی میں ایک قوم کے پاس گزر ہوا، جن کے ہاں ایک شخص بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا، اس کے رشتہ داروں نے کہا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ کے صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خیر لے کر آئے ہیں، کیا آپ کے پاس مریض کو دم کرنے کے لیے کوئی چیز ہے؟ وہ فرماتے ہیں، میں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اسے دم کیا تو اس کی بیماری جاتی رہی، اس قوم نے مجھے سو بکریاں دیں۔ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، تو آپ نے فرمایا: بکریاں لے لو بخدا! جس نے ناجائز دم کے بدلے کچھ کھایا (اس نے غلط کیا)، تم نے تو یہ مال صحیح

[1] دیکھیے المطالب العالیہ، ج ۲، ص ۳۴۹

دم کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ ؎1

نویں حدیث:

بخاری شریف میں سورۂ اخلاص کے سلسلے میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قُلْ ھُوَاللہُ اَحَدٌ پڑھتے ہوئے سُنا، وہ بار بار یہی پڑھ رہا تھا، صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر یہ واقعہ بیان کیا، ان کا خیال تھا کہ دوسرا شخص قرآن پاک کا بہت تھوڑا حصہ پڑھ رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اُس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ سورۃ قرآن پاک کے تہائی حصّہ کے برابر ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے حضرت قتادہ ابن نعمان تھے۔ احمد ابن طریف ابن الہیثم، ابو سعید سے راوی ہیں کہ حضرت قتادہ ابن نعمان ساری رات صرف سورۂ اخلاص پڑھتے رہے۔ انہوں نے اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا اور سننے والے غالباً ان کے ماں کی طرف سے بھائی ابو سعید تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔ ابن عبدالبر نے اسی پر جزم کیا ہے۔ امام دار قطنی نے بروایت اسحاق بن الطباع، امام مالک سے یہ حدیث جن الفاظ میں روایت کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو رات کو قیام کرتا ہے اور صرف سورۂ اخلاص پڑھتا ہے۔ ؎2

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سورت کے خاص کرنے اور رات کے نوافل میں اس پر اکتفا کرنے کی تائید فرمائی، حالانکہ یہ تخصیص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول نہیں تھا۔ نیز اس حدیث اور تیسری اور چوتھی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خاص طور پر قرآن پاک کے کسی حصّے کی طرف دل کا مائل ہونا اور اسے کثرت سے

؎1 حافظ ہیثمی: موارد الظمآن من زوائد ابن حبان ص ۲۷۶

؎2 دیکھئے، فتح الباری، ج ۱، ص ۴۳۵

پڑھنا جائز ہے اور اسے باقی قرآن پاک کا ترک قرار نہیں دیا جائے گا، اس کے باوجود ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے نوافل میں فقط سُورۃ اخلاص کے پڑھنے کو افضل قرار دیا ہو کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول، تمام قرآن پاک کا پڑھنا تھا، وہ بیشک اس سے بھی افضل ہے، لیکن اس صحابی کا عمل اور اس سے ملتا جلتا کام، سنّت کے زمرے میں داخل ہے اور ایسا کام مذموم نہیں، بلکہ ہر حال میں قابلِ تعریف ہے۔ گزشتہ اور آئندہ احادیث کی طرح اس حدیث میں بھی بات بات پر بدعت کا فتویٰ دینے والوں پر رد ہے۔

دسویں حدیث:

اصحابِ سُنن، امام احمد اور ابن حبان، اپنی صحیح میں حضرت ابو بریدہ سے اور وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، ایک صحابی نماز پڑھتے ہوئے ان الفاظ سے دُعا مانگ رہے تھے:

"اے اللہ! میں تجھ سے اس لیے سوال کر رہا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو معبودِ برحق ہے، تیرے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، تو ایک ہے، تو وہ بے نیاز ہے جس نے کسی کو جنا اور نہ جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے (ترجمہ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذاتِ اقدس کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے وسیلے سے سوال کیا ہے جس کے واسطے سے کوئی بھی چیز مانگی جائے، تو وہ دی جاتی ہے اور دُعا کی جائے، تو وہ قبول ہوتی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ دُعا کے یہ کلمات صحابی نے تیار کیے تھے اور چونکہ مقصد کے مطابق تھے، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تائید اور خوشنودی کے اعلیٰ ترین طریقے سے برقرار رکھا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ دُعا سکھائی تھی، دراصل نصوصِ شریعت میں ایسے عمومی الفاظ پائے جاتے ہیں، جن سے خاص افراد مُراد ہوتے ہیں، اسی طرح حقیقت مجاز پائے جاتے ہیں، اور ایسے اُمور پائے جاتے ہیں کہ تعارض کے وقت ان کی طرف رجوع

کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے کہ کتبِ اصولِ فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ علماءِ اصول نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہوتی ہے اور لفظ کُل کا موجود ہونا تخصیص سے مانع نہیں ہوتا، جیسے کہ ہم قرآن پاک کی آیات میں دیکھیں گے۔

بات بات پر بدعت کا فتویٰ لگانے والوں کو اگر یہ قواعد معلوم ہوں، تو وہ اچھے کاموں کو بدعت قرار دینے کے لیے اپنی زبانیں نہ کھولیں اور ائمہ اعلام پر تہمت لگانے کے میدان میں اپنے رہوارِ قلم کو بے لگام نہ چھوڑ دیں۔ ایسی باتیں اُن کے بڑے بڑے علماء بھی کہیں، تو اُن پر کوئی کان نہ دھرے گا، ان پیکرِ جہالت، طفلانِ مکتب کی کون مانے گا؟ جو اپنے علم و فضل کی مصنوعی نمائش کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ ائمہ دین کے بارے میں ذرا ان کا اندازِ بیان دیکھیے:

"انہوں نے (بدعت حسنہ اور بدعتِ سیّئہ کی طرف) بدعت کی تقسیم کر کے، نو پیدا امور بدعات کے لیے دروازے چوپٹ کھول دیئے ہیں۔" (ص ۵۸)

بدعت کی تقسیم

خدا کی پناہ! ائمہ دین، اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کو دوسروں سے زیادہ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ رکھتے ہیں اور اس کے زیادہ فرماں بردار ہیں۔ چاہے ان پر کتنی ہی تہمتیں لگاتے رہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

"بدعت دو قسم پر ہے، ایک بدعتِ محمودہ اور دوسری مذمومہ، جو سنّت کے مطابق ہو، وہ بدعتِ محمودہ ہے اور جو سنّت کے مخالف ہو وہ بدعتِ مذمومہ ہے۔"

کیا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی یہ تہمت لگائی جائے گی؟

خلیفۂ ثانی سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تراویح کی باجماعت ادائی دیکھ کر) فرماتے ہیں، یہ بدعت (نیا طریقہ) اچھی ہے۔ ایسا ہی قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

سے بھی مروی ہے۔ کیا یہ دونوں جلیل القدر صحابی بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نافرمان ہیں ؟ کیونکہ ان کے فرمان کا لازمی مطلب یہ ہے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک محمود اور دوسری مذموم، اور جمہور علماء نے اس تقسیم کو تسلیم کیا ہے، مثلاً امام نووی، ابن عبدالسلام، قرافی، ابن عربی اور خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر کیا یہ جلیل القدر ائمہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام نہیں سمجھتے ؟ اس بہتان سے خدا کی پناہ!

یہ سب اس بناء پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ "ہر بدعت گمراہی ہے"۔ مبتدعین کے نزدیک یہ کلیہ، ہر نو پیدا چیز کو شامل ہے مؤلف حوار اصول کے قواعد سے واقف ہے اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں بہت سے کلیات ایسے ہیں جن میں تخصیص کی گئی ہے اور بہت سے عمومات وہ ہیں، جن سے خاص افراد مُراد لیے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں مخالفین نے بدعت کی ایک اور تقسیم کی ہے:

(۱) جس کی بناء پر کفر لازم آئے (۲) حرام (۳) مکروہ تحریمی (۴) مکروہ تنزیہی پانچویں قسم یعنی مباح کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ان کے نزدیک بدعت، عبادت کے ساتھ خاص ہے۔ وہ بدعت کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں، دینی اور دُنیاوی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک مباح، احکامِ دین سے ہی نہیں ہے۔ نیز وہ بدعات جو عبادات کے ماسوا میں پائی جاتی ہیں، حدیث ان کو شامل نہیں ہے۔ یہ بھی تو ان کی طرف سے اس قاعدۂ کلیہ میں تخصیص ہے جس میں وہ کسی تخصیص کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.

ایک روایت میں ہے: فِیْ دِیْنِنَا۔ "جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز نکالے جس کی اصل اس دین سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کا دین، مسلمان کے تمام تصرفات کو شامل ہے، خواہ عبادات ہوں یا معاملات، احکام ہوں یا فیصلے، نکاح سے متعلق مسائل ہوں یا میراث سے، اسی طرح تمام اعمال، حرام بدعتوں کا سب میں عمل دخل ہے، سب سے خطرناک بدعت وہ عقائد ہیں جن کی بناء پر بہت سے گروہ دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ حکمرانی سے متعلق افسوسناک بدعت، اللہ تعالیٰ کی شریعت سے خروج ہے اور یہ بدعت جس کا انجام کفر ہے۔ اکثر اسلامی ممالک پر چھا چکی ہے۔ یہی وہ بدعت ہے جس کے لیے اسلام دشمن عناصر، مستشرقین اور ان کے ہم نواؤں نے مسلسل کام کیا ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان کی شریعت اور ان کے عقیدے سے نکال کر اس طاغوت کی اطاعت پر مجبور کر دیا جسے وہ قانون کا نام دیتے ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ دن رات فروعی مسائل کے اختلافات کو ہوا دینے میں مصروف ہیں اور مخالفین کو بدعتی قرار دینے سے نہیں چوکتے، وہ ان بڑے بڑے مسائل کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہتے، جن میں ہر ملک کے مسلمان واقع ہو چکے ہیں۔ حالانکہ اس زمانے میں ان مسائل کے بارے میں اپنی تمام تر مساعی کو صرف کرنا فرض عین ہے اور یہ مسائل مسلمانوں کے لیے چیلنج بن چکے ہیں۔

فروعی مسائل میں مختلف مذاہب کا اختلاف، قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے اور ان مسائل میں اختلافات کو ابھارنا، ملتِ اسلامیہ کو متحد نہیں ہونے دے گا، بلکہ پارہ پارہ کر دے گا۔ یہ طریق کار، خوں ریزی، نفرت انگیزی، اتہام پردازی اور ایک دوسرے کو بدعتی اور گمراہ قرار دینے کا باعث ہوگا اور اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

کتاب و سنت کے بہت سے عمومات وہ ہیں جن میں تخصیص کی گئی ہے اور کثیر مقامات پر عام سے خاص افراد مراد لیے گئے ہیں، جیسے (قوم عاد پر بطورِ عذاب نازل ہونے والی آندھی کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ "ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے"

(الاحقاف ۴۶/۲۵)

اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس آندھی نے تمام زمین کو تباہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی ستاروں کو گزند پہنچائی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۵۳، ۳۹) "انسان کے لیے نہیں ہے، مگر وہ کوشش جو اُس نے کی"۔ حالانکہ تواتر کی حد تک پہنچنے والے دلائل سے ثابت ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے عمل اور فرشتوں کی دُعا سے بھی فائدہ اُٹھاتا ہے، جیسے کہ علامہ ابن تیمیہ نے بیس سے زیادہ مقامات کا ذکر دلائل کے ساتھ کیا، ان میں سے ایک نماز جنازہ ہے۔ میّت کی طرف سے صدقہ دینا اور اہلِ ایمان کی دُعا ہے۔ عام سے خاص مُرادِ لینے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سیاہ دانہ (کلونجی) موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے۔ اس حدیث میں لفظ کُل موجود ہے۔ اس کے باوجود شارحین کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے عموم پر نہیں ہے۔

اسی سلسلہ کی وہ حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہیں ہو گا جس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اُس کے بعد نماز پڑھی، یقیناً یہ بھی کلمات عموم میں سے ہیں، لیکن اپنے عموم پر نہیں ہے، کیونکہ جس نے فجر اور عصر کی دونوں نمازیں پڑھیں، لیکن باقی نمازیں ترک کر دیں اور واجبات چھوڑ دیئے وہ قطعاً اس حدیث میں داخل نہیں ہے، لہٰذا یہ وہ عام ہے جس سے خاص افراد مُراد لیے گئے ہیں یا وہ ایسا عام ہے جس میں نصوص کی بناء پر تخصیص کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کر کے برقرار رکھا کہ جب احادیث پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں تو مختلف روایات کو ایک دوسری کے ساتھ ملانا ضروری ہے، کیونکہ وہ ایک ہی حدیث کے حکم میں ہیں، ان میں سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تاکہ ان سب کے مضمون پر عمل کیا جائے۔

جس عام سے خاص مراد لیا گیا ہو، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ "وہ جنہیں لوگوں نے کہا کہ بیشک لوگوں نے تمہارے لیے بہت کچھ جمع کر رکھا ہے (آل عمران ۳، ۱۷۳)۔ پہلے الناس سے مراد خبر دینے والے ہیں اور

یقیناً چند لوگ تھے اور دوسرے النّاس سے مُراد ابوسفیان اور مشرکین مکہ میں سے اُن کے ساتھی ہیں جنہوں نے اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جنگ کی تھی، وہ بھی تمام انسان تو نہیں تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء ۲۱، ۹۸) "بے شک تم اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں۔"

اسم موصول (مَا) کلمات عموم میں سے ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی والدہ ماجدہ اور فرشتے جن کی اہل کتاب عبادت کرتے تھے، اس آیت سے مراد نہیں ہیں لیے یہ بھی ایسا عام ہے جس سے خاص افراد مُراد لیے گئے ہیں — اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام ۶، ۴۴) "جب وہ اس چیز کو بھول گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھی، تو ہم نے اُن پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے۔ حالانکہ اُن پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے — اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور صحابہ سے معاملات میں مشورہ کیجیے! ظاہر ہے کہ آپ صحابہ کرام سے احکام شرعیہ کے بارے میں مشورہ نہیں فرماتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اُن سے بعض امور میں مشورہ کیجیے۔ یہ تفسیر ہے اگرچہ قرآن پاک میں مذکور نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی امر کا عزم فرمالیں، تو پھر کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ خدا ورسول کے حکم پر سبقت کرے۔[۲] اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى (طٰہٰ ۲۰، ۱۵) تاکہ ہر نفس کو

---

[۱] علماء اصول فرماتے ہیں کہ لفظ مَا غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے داخل ہی نہیں ہوں گے، اس لیے اسے عام مخصوص البعض کی مثالوں میں شمار نہیں کرنا چاہیے ۱۲ شرف قادری [۲] دیکھیے فتح الباری ج ۱۷، ص ۱۰۳

اس کی کوشش کی جزا دی جائے گی۔ [1]

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ایسے عمومات جن میں تخصیص کی گئی ہے یا جن سے مخصوص افراد مراد ہیں؛ اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کا تتبع کیا جائے تو ایک جلد تیار ہو سکتی ہے، اس صورت میں جمہور علماء راسخین پر کیسے انکار کیا جا سکتا ہے ؟ جنہوں نے حدیث شریف کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے یا یہ ایسا عام ہے جس سے خاص مراد لیا گیا ہے۔ مؤلف (ابن منیع) نے انہیں خدا و رسول کا نافرمان اور دشمن قرار دیا ہے، خدا تعالیٰ کی پناہ! وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں۔

امام نووی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ عام ہے جس سے خاص مراد ہے، اس سے مراد وہ نو پیدا امور ہیں، جن کی صحت پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ بدعات سے ایسے امور ہی مراد ہیں [2]

حافظ ابو بکر بن عربی، سنن ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں امر سابع حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ "تم نو پیدا امور سے بچو"، تمہیں اللہ تعالیٰ علم کی دولت عطا فرمائے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نو پیدا امور کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ نو پیدا امر جس کی بنیاد، خواہش اور اپنے ارادے پر عمل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، یہ قطعاً باطل ہے اور یہ بدعت ضلالت ہے (۲) وہ نو پیدا امر کہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر محمول کیا گیا ہو، یہ خلفاء راشدین اور ارباب فضیلت ائمہ کی سنت ہے۔

مزید یہ فرمایا کہ نو پیدا اور بدعت محض لفظ محدث اور بدعت یا ان کے معنی کے پیش نظر مذموم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا یَأْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ "جب بھی ان کے پاس اُن کے رب کی طرف سے نیا ذکر آتا ہے" اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح با جماعت کے بارے میں فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ

---

[1] اس آیت اور ایسی ہی دوسری آیات میں کُلّ نَفْسٍ سے مراد خاص طور پر وہ لوگ ہیں، جن کی بخشش نہ ہو، جن کو اللہ تعالیٰ بخش دے، وہ کلیہ میں داخل نہیں ہیں ۱۲ رفاعی [2] دیکھئے امام سیوطی کا حاشیہ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۳

"یہ نیا کام اچھا ہے"

قابلِ مذمت ہے وہ بدعت جو سنّت کے مخالف ہو اور گمراہی کی طرف بلائے۔ یہ بعینہٖ وہ تقسیم ہے جو اس سے پہلے ہم امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے بدعت کی دو قسمیں بیان فرمائیں۔ محمود اور مذموم، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد آنے والے ائمہ، مثلاً سُلطان العلماء عزّ الدین بن عبد السلام، امام نووی اور ابن اثیر شافعیہ میں سے ابنِ عربی اور قرافی مالکیہ میں سے، اور ان کے علاوہ بکثرت علماء، اور ان کے آخر میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ، ان سب حضرات نے نو پیدا امور کو دو قسم، محمود اور مذموم قرار دیا۔ نیز فرمایا کہ یہ امور کبھی واجب یا مستحب اور کبھی حرام یا مکروہ یا مباح ہوتے ہیں۔ کسی قاعدے پر بنا کرتے ہوئے، یا ان شواہد کے پیشِ نظر جو ان کے حق میں ہیں یا اُن کے خلاف گواہی دیں یا ان امور پر مرتب ہونے والے فوائد یا مفاسد کو دیکھتے ہوئے یا شریعت کی مخالفت یا موافقت کے اعتبار سے یہ پانچ قسمیں جاری ہوں گی۔

جو شخص سنّت اور اس کے قواعد یعنی اصول اور فقہ کا عالم ہے، اس کے لیے اس قول کے بغیر چارہ نہیں ہے، لیکن یہ اس شخص کا کام ہے جسے علومِ دینیہ میں یدِ طولیٰ، صحیح فقاہت اور شریعت اور اس کے مقاصد کا گہرا شعور حاصل ہو، اس شخص کا کام نہیں ہے جو علم کا دعویدار، زبان دراز اور علم کا کچھ حصہ حاصل کیے ہوئے ہو جسے ایک نص مل جائے، تو وہ اسے ہی لے کر بیٹھ جائے، اور اس کے ماسوا نصوص، قواعدِ مطالب، اہلِ علم کے بیانات اور صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کے ارشادات کو از راہِ جہالت، یا تجاہل، دیوار پر دے مارے اور گمان کرے کہ وہی ایک نص صحیح ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ خدا اور رسول کی مخالفت ہے جیسے مؤلف (ابن منیع) نے کیا۔[1]

---

[1] عبد الرزاق، معمر سے، وہ زہری سے اور وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے راوی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص حدیث بیان کرے گا، اسے وہ شخص سُنے گا جس کی عقل اس حدیث کے مطلب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ ” اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین کا فہم عطا کر دیتا ہے“
اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتا، وہ جہل مرکب میں جا گرتا ہے اور علماء کو جاہل قرار دیتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دین کا فہم، تحقیق و تجسس والی نظر، نصوص کی تلاش، بعض کو بعض پر محمول کرنے، امکانی حد تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کو اس کے صحیح مطالب پر محمول کرنے اور علماء اسلام کے اقوال و اعمال کو حتی الامکان خیر اور محملِ صحیح پر محمول کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
مسلمانوں کے بارے میں یہی حسنِ ظن ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، بلکہ حدیث شریف کے مطابق یہ ایمان کا قوی ترین رابطہ ہے، پھر دلائل کی جستجو کرنیوالے کیلئے ضروری ہے کہ ان علماء راسخین کے ارشادات سے واقف ہو جو علم، فہم اور تقویٰ میں بلند مقام رکھتے ہیں، انہیں دلائل پر عبور حاصل ہے ان کی تطبیق اور تاویل پر قدرت رکھتے ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کی تفسیر کرنے والے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مُراد اور آپ کے مقصد کو بعد کے علماء سے زیادہ جانتے تھے۔ یہی علماء دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں ان حضرات کا کوئی استنباط نص کے مخالف نہیں ملے گا، جب تک کہ ان کی تائید میں کوئی نص موجود نہ ہو، اسی طرح ان کا استنباط ظاہر کے خلاف نہیں ملے گا، جب تک کہ اس ظاہر کی کوئی معقول اور مقبول تاویل ان کے پاس موجود نہ ہو، آپ دیکھیں گے کہ ائمہ دین اپنے مخالفین کو بدعتی یا گمراہ قرار نہیں دیتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے مخالف کے پاس بھی ایک دلیل ہے جسے وہ ترجیح دے سکتا ہے اگرچہ ہمارے نزدیک کسی دوسری دلیل کو ترجیح حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ دین نے صرف عقائد کے سلسلے میں انحراف کی راہ اختیار کرنے والے فرقوں کو بدعتی کہا ہے اور جب تک وہ کلمہ شہادت کی گواہی دیتے رہیں، نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں، ان کی تکفیر نہیں کرتے، ہاں جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، اسے برملا کافر

قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس وقت تاویل کا راستہ ہی نہیں رہتا۔ باطنیہ، قدریہ اور خوارج ایسے عقائد میں انحراف کرنے والے فرقے، اہل سنت و جماعت کے نزدیک بالاتفاق مبتدع اور گمراہ ہیں، کیونکہ ان کے خلاف نصوص کثرت سے مجتمع ہیں، پہلے پہل جس فرقے کی بدعت ظاہر ہوئی، وہ خوارج ہیں۔ انہوں نے اپنے مسلک میں انتہائی تشدد سے کام لیا، یہاں تک کہ انہوں نے امیر المومنین حضرت علی اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کافر قرار دیا، ان کا استدلال ان ظواہر اور عمومات سے تھا جو مشرکین کے بارے میں وارد ہوئے تھے۔ خوارج نے ہر اس شخص کو کافر قرار دیا اور اس کا قتل جائز قرار دیا جو اُن کے عقائد سے اختلاف رکھتا تھا۔

ابن مردویہ حضرت مصعب بن سعد سے راوی ہیں کہ ایک خارجی نے حضرت سعد یعنی ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اور کہا یہ کفر کے اماموں میں سے ایک امام ہے۔ حضرت سعد نے فرمایا: تو نے جھوٹ کہا۔ میں نے تو ائمہ کفر سے جہاد کیا ہے۔ ایک دوسرا خارجی کہنے لگا: یہ ان لوگوں میں سے ہے، جن کے اعمال برباد ہوئے۔ حضرت سعد نے فرمایا: تو نے بھی جھوٹ کہا۔ اعمال ان لوگوں کے ضائع ہونے، جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا (ترجمہ آیتِ مبارکہ)

یہ روایت حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں بیان کی۔ [1]

امام طبرانی، معجم کبیر اور معجم اوسط میں راوی ہیں کہ حضرت عمارہ بن قرص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنگ میں شریک ہوئے اور جتنی مدت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، اس میں شامل رہے، پھر واپس ہوئے۔ اہواز کے قریب پہنچے، تو انہوں نے اذان کی آواز سُنی، تو انہوں نے فرمایا: میں تین دن سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا۔ جماعت میں شامل ہونے کے ارادے سے اذان کی آواز کی طرف چل دیئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ازارقہ (خارجیوں کی ایک جماعت) موجود ہیں۔ انہوں نے کہا او خدا کے دشمن! تجھے کونسی چیز یہاں لائی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا

---

[1] دیکھئے فتح الباری ج ۱۰، ص ۴۰

تم میرے بھائی (مسلمان) نہیں ہو؟ انہوں نے کہا: تو شیطان کا بھائی ہے، ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اس بات پر راضی نہیں ہو، جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا وہ کونسی چیز ہے؟ جس پر رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم سے راضی ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں حالتِ کفر میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اور میں نے توحید و رسالت کی گواہی دی، تو آپ نے مجھ سے تعرض نہیں فرمایا۔ خارجیوں نے آپ کو پکڑا اور شہید کر دیا ——— مجمع الزوائد میں ہے اس حدیث کے راوی، صحیح حدیث کے راوی ہیں۔ [1]

یہ بدعتِ سیئہ ماضی میں خوارج سے صادر ہوئی اور ہر دَور میں ان کے پیروکاروں سے صادر ہوتی رہی، اس کا سبب کیا تھا؟ یہ کہ وہ اپنی ذوات پر مغرور تھے۔ آیات و احادیث کے ظواہر کو لے کر وہ سمجھتے تھے کہ حق پر صرف ہم ہیں اور ان کا ہر مخالف گمراہ ہے، بدعتی ہے یا کافر و مشرک ہے، بلکہ وہ صرف اس شخص کی بات سنتے تھے جو خارجی ہوتا یا ان جیسا ہوتا، جمہورِ امت کو تو وہ سیاہ چشمہ لگا کر دیکھتے تھے، انہیں امتِ مسلمہ یا تو بدعتی دکھائی دیتی تھی یا مشرک و کافر، اور خارج از اسلام۔

مقصد یہ ہے کہ مسلمان کے لیے علماء امت تو کجا عامۃ المسلمین کے بارے میں بھی حسنِ ظن لازم ہے، کیونکہ جن فروعی مسائل میں اس سے پہلے علماء کا اختلاف رہ چکا ہے۔ ان میں اختلاف کو اس طرح ہوا دینا کہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو یا ان کی تخفیفِ شان کا سبب بنے، دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دینے اور امتِ مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دینے کے مترادف ہے۔ فروعی مسائل میں ائمہ امت کا اختلاف قرونِ اولیٰ سے چلا آیا ہے، لیکن یہ اختلاف، اختلافِ عقیدہ کا باعث اور احترامِ باہمی محبت و الفت اور اتحادِ امت کے خلاف نہ تھا۔ یہ تمام ائمہ دین کے پاسبان اور دین کی غیرت رکھنے والے تھے۔ آج

[1] دیکھئے مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۶

کے مدعیانِ فقاہت اور مسائلِ دین میں اجتہاد کے دعویدار، ان ائمہ کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں، بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ دین سے جاہل نہیں ہیں، اجہل ہیں اور ان کے پاس زبانی دعوے کے علاوہ کچھ سامانِ اجتہاد نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے جیسے لوگوں کے مقلد ہیں، جنہوں نے اُمت کے سامنے ایسی آرا پیش کی ہیں، جن میں ائمہ کے اجتہادات پر تنقید کی گئی ہے، وہ ائمہ جن کے بارے میں اُمتِ مسلمہ نے علم، فقاہت اور تقویٰ کی گواہی دی ہے اور بقول علامہ ابن تیمیہ اُمتِ مسلمہ میں ان حضرات کو سچی زبان دی گئی ہے۔

دیکھیے علامہ ابن تیمیہ مبتدعین کے بعض اقوال پر رد کرتے ہوئے اپنی کتاب جواب اہل العلم میں فرماتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص بھی ان دو اقوال میں سے کسی ایک قول کا ثبوت سلف سے پیش نہیں کر سکتا۔ سلف سے میری مراد ہیں صحابہ کرام، تابعین بالاحسان اور باقی ائمۂ مسلمین جو علم اور تقویٰ میں مشہور ہیں اور امتِ میں جنہیں سچی زبان دی گئی۔ احمد بن حنبل، شافعی اور ابو حنیفہ کے زمانے کی کسی شخصیت سے نقل کر سکتے ہیں اور نہ ان سے پہلے کسی بزرگ سے[1]۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص دین میں کسی شخص کی تقلید نہ کرے، کیونکہ اگر وہ مقتدا مومن ہوا، تو یہ بھی مومن ہو گا اور اگر اس نے کفر کیا، تو یہ بھی کافر ہو جائے گا اور اگر تم ضرور اقتدا ہی کرنا چاہتے ہو تو زندہ کی بجائے اس کی اقتدا کرو، جو دُنیا سے رُخصت ہو گیا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے زندہ فتنے میں واقع ہو جائے۔[2]

ہمارا مقصد، مسلم نوجوان کو خدا اور رسول کے بارے میں ایسے اقوال سے روکنا ہے جن کو وہ پوری طرح سمجھ نہیں سکا اور جن کا وہ احاطہ نہیں کر سکا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خوارج کی راہ پر

---

[1] دیکھیے کتاب جواب اہل العلم، ص ۲۳

[2] یہ حدیث امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں، دیکھیے مجمع الزوائد ج ۱، ص ۱۸۰ ۱۲ رضاعی۔ علامہ اقبال اسی فکر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ؎ زاقتداءِ عالمانِ کم نظر اقتداءِ بر رفتگان محفوظ تر ۱۲ قادری

چل نکلے، جنہوں نے اپنی آراء، خواہشاتِ نفسانیہ اور کتاب اللہ کے عمومات پر اعتماد کرتے ہوئے سلف صالحین کو گمراہ قرار دیا، حالانکہ ان کے پاس ان ظواہر کے علاوہ کچھ علم نہ تھا محض ظواہر پر اعتماد کرکے بہت دفعہ انسان غلطی میں واقع ہوجاتا ہے اور اگر ضرور ایسا قول اختیار کرنا ہے تو اپنے لیے اختیار کرے، اس کے لیے جائز نہیں کہ علماء امت اور ان کے متبعین کو بدعتی اور گمراہ قرار دے، جب تک کہ وہ مسئلہ علماء کے درمیان متفقہ نہ ہو، کیونکہ بدعت کا معنی سمجھنے میں علماء کے مختلف مسالک ہیں، بعض بدعت میں تعمیم کرتے ہیں اور تعمیم میں خطرہ ہے، کیونکہ اس سے بعض اوقات لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین یعنی تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ بدعتی قرار پائیں۔ بعض علماء نے اس قباحت سے بچنے کے لیے بدعت کی تقسیم (حسنہ اور سیئہ کی طرف) کی ہے بعض نے اس طرح تقسیم کی کہ ایک بدعتِ حقیقیہ ہے اور دوسری بدعتِ اضافیہ اس کے علاوہ متعدد تقسیمیں کی گئی ہیں، جن میں سے بعض کی طرف ہم آئندہ اشارہ کریں گے اور ہر عالم کا الگ الگ ماخذ ہے، لہٰذا اختلاف کے ہوتے ہوئے اپنے دین پر حریص عقلمند کا کام یہ ہے کہ علماء کے اقوال بیان کر دے اور خود اس حد پر ٹھہر جائے جو شارع نے اس کے لیے مقرر کی ہے۔

ایک مسلمان کو خوارج اور ان کے ہم نواؤں کے حال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ احادیثِ صحیحہ کی رُو سے وہ گمراہ ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ہی حق ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ہر اس شخص کو گمراہ قرار دیا جو اُن کے مذہب پر نہ ہو، خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی مذمت فرمائی اور صراحۃً فرمادیا کہ وہ دین سے نکل جائیں گے، حالانکہ وہ بظاہر دین پر عمل پیرا ہوتے اور عبادت میں متشددانہ راستہ اختیار کرنے میں دوسروں سے آگے ہیں۔ سبب یہ تھا کہ وہ اپنی ذوات پر مغرور ہوگئے اور انہوں نے اپنے تمام مخالفین کو گمراہ قرار دے دیا۔

امام بخاری اور مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد میری اُمت میں کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ اُن کے حلقوں سے نیچے نہیں اُترے گا، اہل اسلام کو قتل کریں گے، بت پرستوں کو چھوڑ دیں

گے۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے، اگر میں نے انہیں پایا تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کر دوں گا"۔

امام بخاری فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہیں (خوارج) کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شریر ترین جانتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: انہوں نے کافروں کے حق میں نازل ہونے والی آیتوں کو مومنوں پر چسپاں کر دیا ——— امام بخاری نے یہ روایت تعلیقاً بیان کی۔ حافظ ابن حجر، فتح الباری میں فرماتے ہیں طبری نے یہ حدیث تہذیب الآثار میں سند متصل، صحیح سے بیان کی ہے۔

امام ابویعلیٰ، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں جن چیزوں کا خوف ہے، ان میں ایک شخص ایسا ہوگا جو قرآن پڑھے گا، یہاں تک کہ قرآن کی رونق اس پر دیکھی جائے گی اور اسلام اس کی چادر ہوگا، وہ چادر اس سے ہٹ جائے گی اور وہ اسے پس پشت ڈال کر اپنے پڑوسی کے خلاف تلوار بلند کرے گا اور اس پر شرک کا الزام لگائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! شرک کے قریب کون ہوگا، وہ جس پر شرک کا الزام لگایا گیا یا الزام لگانے والا؟ فرمایا: الزام لگانے والا۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا: اس کی سند عمدہ ہے۔

امام بخاری اور مسلم، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو کہے او کافر! تو یہ کلمہ دونوں میں سے ایک پر آئے گا۔ اگر وہ شخص واقعی ایسا ہے تو فبہا، ورنہ کہنے والے پر لوٹ آئے گا ——— امام بخاری و مسلم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص دوسرے کو کہے او کافر! یا کہے او دشمنِ خدا! اور وہ اس طرح نہیں ہے، تو یہ کلمہ کہنے والے پر خود لوٹ جائے گا۔ [1]

---

[1] یہ احادیث، علامہ، محدث، اصولی علی بن محمد بن یحییٰ علوی حضرمی کی غیر مطبوعہ کتاب سے نقل کی گئی ہیں۔
۱۲ رفاعی

امام طبرانی، معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند حسن سے راوی ہیں کہ کلمہ طیبہ کی شہادت دینے والوں سے زبان روکو، اور کسی گناہ کی بنا پر انہیں کافر قرار نہ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی عمل کی بنا پر انہیں اسلام سے خارج قرار نہ دو۔

کسی کو کافر و مشرک اور دشمنِ خدا قرار دینے کی طرح لعنت بھی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے، اسی طرح کسی کو بدعتی یا گمراہ قرار دینا کہ یہ دونوں شرک و کفر کے قریب ہیں۔ خوارج اور ان کے پیروکاروں کا مخالفین کو بدعتی اور گمراہ قرار دینے کا عام سبب، دین میں غلو اور مقاصدِ شریعت کے فہم سے عاری ہونا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی ذات پر غرور اور یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں تمام شریعت پر احاطہ حاصل ہے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھتے ہیں کہ صرف ہمارے عقائد ہی حق پر ہیں۔ دوسرے علماء کی آراء اور ان کے فہم کو خاطر ہی میں نہیں لاتے اور ان کی مخالفت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، یہ خارجیت کی ناپسندیدہ رُوح ہے۔ اسی بناء پر شارع علیہ السلام نے ان کی مذمت فرمائی ہے، یعنی اپنی ذوات اور آراء پر مغرور ہونا اور دوسروں کو حقیر جاننا، بس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عامۃ المسلمین کو گمراہ اور کافر قرار دے کر اُن کو قتل کرنا جائز قرار دیا۔ یہ لوگ اختلافِ آراء کی بناء پر پیدا ہونے والے مختلف حسین راستوں کے روادار ہی نہیں، حالانکہ روحِ اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو جو تربیت دی، وہ یہ تھی کہ اختلاف کو برداشت کیا جائے، مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ نہ کیا جائے اور ان میں ایک دوسرے کی نسبت بدگمانیاں نہ پھیلائی جائیں۔ علماء دین نے صحابۂ کرام سے یہ عمدہ طریقہ حاصل کیا، وہ کتاب وسنت کے فہم کا احترام کرتے تھے، اگرچہ ان کی آراء کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ مخالف کی رائے کو بھی بطورِ امانت نقل کرتے تھے۔

ابوالقاسم اصبہانی، الترغیب والترہیب میں اور خطیب بغدادی المتفق والمفترق میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس حکم صادر فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ تو اپنے بھائی کے معاملے کو اچھے پہلو پر محمول کر،

یہاں تک کہ تجھے اس کے بارے میں غلبۂ ظن حاصل ہو جائے اور تو اپنے مسلمان بھائی سے صادر ہونے والے کسی کلمہ پر بدگمانی نہ کر، جب تک تجھے اس کا اچھا محمل مل سکتا ہو ــــــ اللہ تعالیٰ سے ہماری دُعا ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور خاص طور پر طلباء کو غلط سوچ سے دُور رکھے اور انہیں راہِ راست کی ہدایت فرمائے تاکہ وہ اپنے دین کو پہچانیں اور اپنے بزرگوں اور علمائے لمت کی قدر و منزلت سے شناسائی حاصل کریں جنہوں نے یہ دین ہم تک پہنچایا اور اپنی جانیں اور عمریں اس کوشش میں صرف کر دیں کہ وہ عظیم دولت ہم تک پہنچ جائے جس پر امتِ مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے اور وہ گراں قدر وراثت ہمیں مل جائے جس کی مثال دنیا میں نہیں پائی جاتی، نہ روایت میں، نہ درایت میں، نہ تنقید میں نہ تحقیق میں ــــــ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

اب ہم پھر سنّت و بدعت کی تحقیق کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ علمائے کرام کی تقسیم بے مقصد نہ تھی اور نہ ہی خواہشِ نفس پر مبنی تھی، خدا اور رسول کی نافرمانی تو دُور کی بات ہے۔ حاشا و کلّا یہ کسی طرح بھی ان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ علامہ حسن البناء (اخوان المسلمین مصر کے رہنما) اپنے متبعین کو اضافی بدعتوں کے خلاف جنگ کی مصروفیت سے منع کیا کرتے تھے، کیونکہ حقیقی بدعات کے خلاف جنگ کی مصروفیت بہت بڑی ہے۔ بدعاتِ حقیقیہ سے مراد وہ منکرات لیتے تھے جو دین کے مخالف ہوں، اور دین کے لیے جن کے مضر ہونے میں علماء کا اختلاف نہ ہو اور جو مسلمانوں کے لیے خطرناک ہونے کے باوجود عام پائے جاتے ہوں اور بدعاتِ اضافیہ سے ایسے امور مراد لیتے تھے جو کسی عام قاعدے کے تحت داخل ہونے کے لحاظ سے مطلوب ہوں، لیکن ان کی صورت اور ہیئتِ مخصوصہ منقول نہ ہو جیسے کہ تمام اجتہادی مسائل اور وہ مسائل جن میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بدعاتِ حقیقیہ کے خطرے اور ان کے بارے میں سکوت اختیار کر کے دوسرے امور میں مشغول ہونے کے نقصانات کا صحیح شعور تھا۔ مذہبی اختلافات سے چارہ نہیں ہے اور تمام فروعی مسائل

میں اتفاق بہت مشکل ہے، اس لیے ہم پر لازم ہے جو کچھ ہمیں پہنچا، اسے حق جانیں اور فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کے لیے عذر تلاش کریں اور یہ اختلاف، محبت، رابطہ قلبی اور کارِ خیر میں تعاون سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔

جس کتاب (حوار مع المالکی) کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ اس میں کوئی علمی خدمت اور تحقیق نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی غلطیوں کی نشان دہی سے پہلے سنّت و بدعت کی تحقیق پیش کر دی جائے، کیونکہ جب سنّت کی پہچان ہو جائے گی، تو اس کی ضد، بدعت بھی پہچانی جائے گی۔ میں پہلی قسم میں وہ دلائل پیش کروں گا، جن سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت وہ آپ کا طریقہ ہی ہے اور نصوصِ کثیرہ کی روشنی میں آپ کا واضح طریقہ یہ ہے کہ وہ کام قبول کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی خیر کا فرد ہو، کسی نص اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت سے متصادم نہ ہو، ایسا کام سنّت ہے، اگرچہ خاص طور پر اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہو، اور بدعت وہ ہے جو نص سے متصادم ہو یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کے مخالف ہو یا اس پر کوئی فساد مترتب ہو، یہی ہمارے علماء کے قول اس قول کا مطلب ہے کہ بدعتِ ضلالت جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے، وہ ہے جو حکم شریعت کے منافی ہو اور دلیل خاص یا عام سے مطلوب شریعت نہ ہو اور جو حکم شریعت کے تحت داخل ہو اور دلیلِ خاص یا عام سے اس کا مطلوبِ شرع ہونا ثابت ہو وہ شرعی بدعت نہیں ہے جو حدیث شریف میں مراد ہے، اگرچہ اسے لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہہ دیا جائے جو اچھے اور بُرے کاموں کو شامل ہے۔ میں نے بدعت کے بارے میں مخالفین کی تحریریں پڑھی ہیں، ان کا تمام تر علم ایک حدیث تک محدود ہے اور وہ یہ ہے "كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" ہر نو پید کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" اس کے علاوہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی ان تمام احادیث کو پس پشت ڈال دیا جو ہر خیر کے جمع کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور جن سے تمام نوپیدا امور کا حکم معلوم ہوتا ہے، ان لوگوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے بعد پیدا ہونے والی ہر چیز بدعتِ سیئہ اور گمراہی ہے، اگرچہ وہ کارِ خیر ہی ہو اللہ تعالیٰ کے دین کے موافق امورِ دینیہ سے ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اُسے شامل ہوں، حالانکہ خیر کی کثرت بھی تو خیر ہے۔ اگر یہی علم ہے تو اُس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ بہت بڑا علم ہے۔

اس حدیث کو قرآن و حدیث کے دیگر دلائل کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ عام ہے اور کئی دلائل اپنے عموم اور خصوص کے اعتبار سے اس کے معارض ہیں، اس جگہ چند امور لائق توجہ ہیں:

۱۔ یہ حدیث عام ہے، لیکن مُراد اس سے خاص[۱] ہے، کیونکہ یہ حدیث بظاہر ان نصوص کے خلاف ہے جو نوپیدا امور میں نظر کرنے اور کتاب و سنّت سے ان کے احکام معلوم کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ کتاب و سنّت نوپیدا امور کے تمام احکام پر محیط ہیں، کیونکہ وہ حوادث، کلام کے منطوق یا مفہوم، عموم یا خصوص، اسی طرح نص یا ظاہر وغیرہ کے تحت داخل ہیں۔

۲۔ قرآن پاک اور حدیث شریف میں عموم کے ایسے کلمات بکثرت وارد ہیں، جن سے خصوص مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام ۶، ۴۴) ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے، حالانکہ ان کے لیے رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے، دوسری جگہ فرمایا: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف ۴۶، ۲۵) آندھی ہر شے کو تباہ کر دیتی تھی، حالانکہ اُس نے پہاڑوں اور زمین و آسمان کو تباہ نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ (النمل ۲۷، ۲۳) ملکہ سبا کو ہر شے دی گئی تھی، حالانکہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت نہیں

---

[۱] جس عام سے خصوص مراد لیا جاتا ہے، وہ ابتداءً ہی خصوص میں مستعمل ہوتا ہے، یعنی لفظ اگرچہ عام ہے لیکن مجازاً خصوص میں استعمال کیا گیا ہے۔ ۱۲ رضاعی

دیا گیا تھا۔ امام قرطبی نے سورۂ روم کی آیتِ مبارکہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم، ۳۰، ۳۰) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا، عربی زبان میں عموم بمعنی خصوص، بکثرت واقع ہے۔ پھر انہوں نے مثالیں بیان کیں جو ہم اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی امارت میں ایک دستہ روانہ کیا۔ صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ امیر کسی بات پر غضب ناک ہو گئے، انہوں نے آگ روشن کی اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس میں داخل ہو جاؤ اور انہیں یاد دلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہیں میری اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا تھا، ان میں سے بعض نے فرمایا کہ ہم آگ کے ڈر سے تو ایمان لائے اور جہاد میں شریک ہوئے (اس کے باوجود آپ ہمیں آگ میں دھکیل رہے ہیں) واپسی پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا، اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے، تو اس میں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا۔ اطاعت اچھے کام میں ہوتی ہے ——— یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ پوری حدیث اس میں دیکھی جاتے ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات عقلاً یا شرعاً امر معلوم کے پیشِ نظر عموم سے خصوص مُراد لے لیا جاتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تنبیہ فرما دی کہ ہر کام میں امیر کی اطاعت مراد نہیں ہے۔

بخاری شریف اور موطا امام مالک میں ہے کہ مٹی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے آخری حصے کے علاوہ ہر انسان (کے تمام جسم) کو کھا جاتی ہے۔ ابن عبد البر، تمہید میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر اور عموم کا تقاضا ہے کہ اس بات میں تمام انسان برابر ہیں، مگر حدیث شریف میں ہے کہ زمین انبیاء کرام اور شہداء کے جسموں کو نہیں کھاتی ——— اس سے معلوم ہوا کہ اس عام لفظ میں خصوص معتبر ہے۔ ان طریقوں کے مطابق جو ہم نے ذکر کیے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ زمین جسے کھاتی ہے اس کی ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ نہیں کھاتی اور جب یہ جائز ہے کہ ہڈی کے اس حصے کو نہ کھائے تو یہ بھی جائز ہوگا کہ انبیاء کرام اور شہداء کے جسموں کو بھی نہ کھائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ بول چال ترک کرنے سے ممانعت فرمائی ہے[1]، حالانکہ آپ نے جنگِ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ سے تین دن سے زیادہ سلام و کلام بند رکھا اور صحابۂ کرام کو بھی ان سے الگ رہنے کا حکم دیا، اسی طرح بعض صحابۂ کرام نے بعض حضرات سے بائیکاٹ کیے رکھا، جیسے کہ حضرت علی نے حضرت اسامہ سے کیا، لہٰذا اس حدیث میں تخصیص ہے، قرآن پاک کی دسیوں آیات میں تخصیص واقع ہے[2]۔
—— اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہوتی ہے اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عام پر عمل کرنے سے پہلے اس کا مخصص تلاش کیا جائے گا۔

۳- نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے موافق نئے کام کی تائید فرماتے ہیں اور جو موافق نہیں، اس پر انکار فرماتے ہیں۔ دیکھئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ درخواست کرتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنایا جائے، اور امہات المومنین کو پردے کا حکم دیا جائے۔ سبب یہ بیان کیا کہ آپ کے پاس نیک و بد ہر قسم کے آدمی آتے ہیں (لہٰذا پردہ ضروری ہے)

---

[1] امام مالک، بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے ۱۲ رفاعی

[2] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء ۴، ۱۲۳) جو شخص برا کام کرے گا اسے اس کی جزا دی جائے گی" یہ مخصوص ہے اس آیت کے پیش نظر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء ۴، ۱۱۶) "بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے گا" دوسری آیت ان تمام آیات کی مخصص ہے جن میں پہلی آیت ایسا عموم پایا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا، وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا (آل عمران ۳، ۱۴۵) جو دنیا کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے یہ مخصوص ہے ارشادِ باری تعالیٰ سے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ (الاسراء ۱۷، ۱۸) "جو دنیا چاہتا ہے ہم جتنا چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے دنیا میں حصہ دیں گے" آیت مبارکہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ "دعا کرنے والا جب مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں" یہ مخصوص ہے آیتِ مبارکہ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ "جو کچھ تم مانگتے ہو اسے کھول دے گا اگر اس نے چاہا" یہ چند مثالیں ہیں، اس کے علاوہ مثالیں بکثرت ہیں۔ ۱۲ رفاعی

اللہ تعالیٰ نے ان کی موافقت میں قرآن پاک کی آیات نازل فرمادیں، کیونکہ انہوں نے عظیم ترین دینی مصلحت کی درخواست کی تھی، چونکہ انہوں نے کارِ خیر کی سفارش کی تھی، اس لیے اس اچھے کام کی تائید کی گئی، لیکن جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ ان کا گمان تھا کہ یہ کارِ خیر ہے۔ انہوں نے شام میں دیکھا تھا کہ اہل کتاب اپنے راہبوں اور مقدس شخصیتوں کو سجدہ کر کے تعظیم بجالاتے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں بلند و برتر ہیں (لہٰذا آپ کو بطریق اولیٰ سجدہ کیا جانا چاہیے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ مخلوق کو سجدہ کرنا آپ کی شریعتِ مبارکہ کے مخالف ہے۔ آپ کی شریعت، اہل کتاب کے غلو سے جدا ہے، وہ اپنے راہبوں اور علماء کی تعظیم و تکریم کے طور پر انہیں سجدہ کرتے تھے اور ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے طریقے پر چلنے کو حرام قرار دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطالبہ پورا کردیا، کیونکہ اس میں فساد نہیں تھا، بلکہ بہتری تھی۔

اذان دیکھیے، اس میں گنے چُنے چند الفاظ ہیں، جن میں کمی کی جاتی ہے نہ زیادتی، اس کے باوجود جب بارش کے سبب ایک نئے اعلان کی ضرورت پیش آئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اعلان کیا جائے اَلَا صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم کا دار و مدار مصلحت اور حاجت پر ہوتا ہے۔ احکامِ شریعت کبھی علت کے موجود ہوتے ہوئے تبدیل کیے جاتے ہیں اور کبھی اس کے معدوم ہونے کی صورت میں بعض صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ہی حکمِ شرعی کی علت معلوم کرلیتے تھے، اسی لیے اہلِ علم فرماتے ہیں کہ جس طرح صحابی کی تفسیر غیر صحابی پر مقدم ہے، اسی طرح بعض صحابہ کی روایت، دوسرے صحابہ پر مقدم ہے۔

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے بہت سے ایسے اچھے کام کرنے

پر دُعا ئے برکت دی، جن میں فساد تھا اور نہ ہی وہ نظامِ مصطفےٰ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ کے مخالف تھے - پھر تواترِ معنوی[1] سے ثابت ہے کہ آپ کے زمانے کے بعد صحابہ کرام نے بہت سے ایسے اچھے کاموں کو روا رکھا جو آپ کی سیرت اور ہدایت کے تحت داخل تھے، اگرچہ ان کاموں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور نہ ہی آپ کے زمانے میں کیے گئے ——— اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اس عقیدے اور عمل کو بدعتِ سیئہ قرار دیتے تھے جو شریعتِ مطہرہ کے مخالف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ (الحج ۲۲، ۷۷) "اچھے کام کرو"۔ اور جا بجا اچھے کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے - نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز ایک اچھا کام ہے جو مقرر کیا گیا ہے جو شخص ان عمومی احکام کے پیش نظر اچھا کام کرتا ہے، اگرچہ وہ بعینہٖ وارد نہ ہو، نیز وہ اس اچھے کام کی ادائی میں نظامِ شریعت کی مخالفت نہیں کرتا تو اُس نے بہت اچھا کام کیا ہے۔

بعض مدعیانِ علم وفضل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد امجاد میں سے امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر انکار کرنے میں خطا کی، اس امام جلیل سے درود شریف کے مختلف طویل کلمات مروی ہیں جو بطورِ وِرد پڑھے جاتے ہیں۔ اس منکر نے کہا کہ یہ ایسا کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حالانکہ امام زین العابدین اپنے عمل میں سلف صالحین کے نقشِ قدم پر تھے جن کے پیشوا صحابہ کرام تھے - اعمالِ صالحہ کی کثرت ان حضرات کا معمول تھا۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میرے ولی سے دشمنی رکھی، میری طرف سے اس کے لیے اعلانِ جنگ

---

[1] تواترِ معنوی یہ ہے کہ ایک بڑی جماعت جس کا جھوٹ پر اجتماع عادۃً نہ ہو سکے۔ متعدد ایسے واقعات بیان کرے جو ایک امرِ عام میں مشترک ہوں، یہ امرِ عام تواتر سے ثابت ہو گا جیسے حضرت عمر فاروق کا عدل، حضرت علی کا علم اور ان کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت، یہ امور تواترِ معنوی سے ثابت ہیں ۱۲ رفاعی

ہے۔ فرائض سے بڑھ کر کوئی ایسا محبوب عمل نہیں ہے جس کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرے، میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتے کرتے یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں، تو میں اس کے سننے کی قوت ہوتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اس کی قوتِ بینائی ہوتا ہوں، جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ کی قوت ہوتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں کی قوت ہوتا ہوں، جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے، تو میں اسے دیتا ہوں، مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا ——— ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تو کثرت سے سجدے کر، کیونکہ تو جو بھی سجدہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تیرا ایک درجہ بلند فرمائے گا، اور ایک گناہ معاف فرمائے گا۔ یہ حدیث ریاض الصالحین میں مذکور ہے۔ جب کثرت عبادت مطلوب ہے تو امام زین العابدین پر کلماتِ درود شریف کی کثرت کے سبب کیوں انکار کیا جائے گا؟

اسود بن ہلال فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جا رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا، بیٹھو ہم ایک گھڑی اپنے ایمان کو مضبوط کر لیں۔ ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث جامع بن شداد سے ——— انہوں نے اسود بن ہلال سے دو سندوں سے روایت کی۔ ان دونوں سندوں کے راوی ائمہ ثقات ہیں۔ نیز ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرو سے اور انہوں نے حضرت علقمہ تابعی سے روایت کی۔[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کے

---

[1] ابن ابی شیبہ نے کتاب الایمان میں فرمایا ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہمیں اعمش نے جامع بن شداد سے انہوں نے اسود بن ہلال سے اور انہوں نے حضرت معاذ سے روایت کی۔ نیز یہ حدیث ابو عبید نے الایمان میں روایت کی کہ مجھے ابن مہدی نے سفیان سے انہوں نے جامع بن شداد سے انہوں نے اسود سے انہوں نے حضرت معاذ سے حدیث بیان کی، نیز ابن ابی شیبہ نے عمرو سے انہوں نے علقمہ سے روایت کی پہلی روایت کی طرح ابن عبید کی سند کے راوی بھی ثقہ ہیں، ۱۲ رفاعی

مطابق حلال و حرام کے بڑے عالم ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ راشد ہیں۔ وہ دونوں یہ کارِ خیر کرتے ہیں، حالانکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے ——

ہاں امام احمد، سند حسن سے راوی ہیں کہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی صحابی سے ملاقات ہوتی، تو فرماتے آئیے ایک ساعت ایمان کو تقویت دیں، ایک دن ایک صاحب سے یہی بات کہی، تو وہ ناراض ہو گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، آپ ابن رواحہ کو نہیں دیکھتے کہ وہ آپ کے ایمان سے روک کر ایک گھڑی ایمان کی ترغیب دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابن رواحہ پر رحم فرمائے۔ وہ ایسی مجلسوں کو پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔ امام بخاری نے یہ روایت تعلیقاً بیان کی [۱]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوادِ عراق کو تقسیم نہیں کیا اور اسے تمام مسلمانوں کے لیے باقی رکھا اور اگر کہا جائے کہ یہ غیر عبادات میں ہے، ہم کہتے ہیں تم نے اس حدیث میں تخصیص کر دی ہے: كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

یہ صحابۂ انصار ہیں، جنہوں نے دارِ ہجرت اور ایمان کی پناہ لی، وہ قرآن پاک کی تلاوت کے لیے جمع ہوتے تھے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لوگوں کو قرآن پاک کی تلاوت کے لیے جمع کرنا منقول نہیں ہے، لیکن صحابۂ انصار نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے عموم سے طریقۂ اجتماع حاصل کیا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوں، فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اور صحابۂ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے، صحابۂ کرام کے طریقے پر چلنے والے بھی ان کے حکم میں داخل ہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت

---

[۱] اسی طرح کشف الخفاء میں ہے ۱۲ فاحمی

پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا حکم ہے[1]۔ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ یہ سب خلفاء راشدین ہیں، ان میں سے آخر میں امام مہدی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں خلفاء سے مراد، صحابۂ کرام، تابعین اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے والے علماء دین ہوں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے: اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ "علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں" اور آیت مبارکہ میں اُولِی الْاَمْرِ[2] کی تفسیر ان علماء سے کی گئی ہے جو احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا، تو جس کام کو مسلمان اچھا جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔ یہ حدیث امام احمد نے مسند میں روایت کی، جو کہتا ہے کہ یہ حدیث امام احمد نے روایت نہیں کی، وہ غلط کہتا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے، اس حدیث سے مسلمانوں کے اقوال کی عزت و حرمت ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان کسی عام دلیل کے تحت داخل ہونے والا جو اچھا کام کرتے ہیں، اُسے بدعتِ سیئہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں سنت وہ کام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہو۔

۲۔ سابقہ گفتگو سے یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس عبادت کا ایک مقام مقرر فرمایا ہو اسے اس مقام سے تبدیل کرنا جائز ہے ——— حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ بدعتِ سیئہ ہے۔ بنو امیہ نے نفسانی خواہشات اور سیاسی اغراض کے تحت، خطبۂ

---

[1] یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جسے امام ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کیا، اس میں ہے کہ تم میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ ۱۲ رفاعی

[2] وہ آیت یہ ہے: وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء ۴: آیۃ ۸۳) اگر اختلافی بات کو رسول اور اپنے اصحاب امر کے سپرد کر دیتے، تو ان میں سے استنباط کرنے والے اس بات کو جان لیتے۔ ۱۲ رفاعی

نمازِ عید سے مقدم کر دیا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتب کردہ نظام کی مخالفت کی، لہٰذا یہ اور اس جیسے دیگر اعمال، خیر اور اعمالِ صالحہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

اس کے برخلاف عید سے پہلے یا اس کے بعد نماز پڑھنا اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، لیکن ایک قاعدے کے نیچے داخل ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مَّوْضُوْعٌ نماز اچھا کام ہے "جو مقرر کیا گیا ہے، یعنی نماز (اوقاتِ ممنوعہ کے علاوہ) جس وقت بھی پڑھی جائے، مکروہ نہیں ہو گی، لیکن سنت یہ ہے کہ عید سے پہلے یا بعد نماز نہ پڑھی جائے اور سنت پر عمل کرنا بہر حال بہتر ہے۔

یہ بحث سید عبد اللہ حداد کی غیر مطبوع کتاب سے ماخوذ ہے۔

بدعت کی تقسیم میں جمہور علماء سے علامہ شاطبی کے اختلاف کے بارے میں بہترین رائے

ایک عرصہ سے جمہور اہل سنت و جماعت کے مخالفین، بدعت کے مفہوم اور اس کی تقسیم کے سلسلے میں صاحبِ اعتصام علامہ شاطبی کی رائے کا سہارا لے رہے ہیں اور اس مسئلہ میں جمہور کی رائے کا رد کرنے کے لیے ان کی رائے کو ڈھال بنا رہے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ محدثِ جلیل شیخ عبد اللہ محمد صدیق کی رائے گرامی پیش کر دوں۔ وہ القول المبین کے ص ۲۳ میں فرماتے ہیں: شیخ عز الدین بن عبد السلام نے القواعد الکبریٰ میں بدعت کی تقسیم کی ہے کہ وہ مصلحت پر مشتمل ہو گی یا فساد پر، دونوں سے خالی ہو گی، اس لحاظ سے اس میں پانچ احکام میں سے کوئی ایک حکم پایا جائے گا۔ وہ واجب، مستحب، حرام، مکروہ یا مباح ہو گی۔ انہوں نے ہر قسم کی مثالیں دیں اور اس کی تائید کرنے والے قواعدِ شرعیہ بیان کیے۔ اس مسئلے میں ان کا کلام اس صاحب بصیرت نقاد کا کلام ہے جسے قواعد فقہیہ پر عبور ہو اور ان مصالح اور مفاسد کو جانتا ہو، جن

کی بنا پر شارع کے نزدیک احکام مرتب ہوتے ہوں۔ ان امور کی معرفت میں سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام ایسا کون ہے؟ بلاشبہ ان کی تقسیم، فقہ کی مضبوط بنیادوں اور اس کے قواعد پر مبنی ہے۔ اسی لیے امام نووی، حافظ ابن حجر اور جمہور علماء نے ان کی موافقت کی ہے۔ ان کا کلام قبول کیا ہے اور فیصلہ دے دیا ہے کہ زمانہ اور اہل زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے واقعات ومسائل میں ان ہی کے قول پر عمل کیا جائے گا ——— یہاں تک کہ صاحب اعتصام تشریف لائے، انہوں نے جمہور علماء سے اختلاف کیا اور اس تقسیم کا انکار کر کے اپنے لیے الگ راستہ اختیار کیا اور اس انکار سے ثابت کر دیا کہ وہ فقہ کی معرفت سے بعید ہیں۔ مصالح اور مفاسد پر مبنی، فقہ کے قواعد کے فہم سے بعید ہیں۔ انہیں وہ کام معلوم نہیں ہے جو مصلحت پر مشتمل ہو تاکہ وہ کام کر کے مصلحت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح وہ اس کام کو نہیں جانتے جس میں فساد ہو تاکہ اسے ترک کر کے فساد سے بچایا جا سکے، وہ اس کام کو بھی نہیں جانتے جو مصلحت اور فساد دونوں سے خالی ہو جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو۔ آخر میں انہوں نے اس امر پر بھی دلیل قائم کر دی کہ انہیں علم اصول میں اتنی بھی مہارت نہیں ہے کہ استنباط کے طریقے، ان کا استعمال اور واقعات کے مطابق انہیں کام میں لانا جان سکیں۔ اصول میں الموافقات کے نام سے ان کی تصنیف، چنداں مفید اور اہم کتاب نہیں ہے۔ ہاں نحو میں انہیں ضرور دسترس حاصل ہے۔ الفیہ ابن مالک پر چار جلدوں میں ان کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم عربیہ میں انہیں تبحر حاصل ہے ——— علاوہ ازیں اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ علامہ شاطبی اپنے معاصرین کی طرح اصولِ فقہ کا بھی علم رکھتے تھے تاہم سلطان العلماء اس علم میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں اور اس کے قواعد کا زیادہ علم رکھتے ہیں، ان کی کتاب القواعد الکبریٰ اس دعوے پر بہترین شاہد ہے۔

تعجب ہے کہ علامہ شاطبی نے سلطان العلماء کی اس تقسیم کا کیسے انکار کیا؟ حالانکہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ تقسیم، مصالح اور مفاسد کے اعتبار پر مبنی ہے، جن کا شارع نے

ترتیب احکام میں اعتبار کیا ہے، مالکیہ پر کیوں انکار نہیں کیا؛ جبکہ انہوں نے استصلاح کا قول کیا ہے، حالانکہ شارع نے نہ تو اس کا اعتبار کیا ہے اور نہ ہی جمہور علماء نے اسے قبول کیا بلکہ اس کا انکار کیا اور مالکیہ کی طرح اس پر احکام کے مرتب کرنے سے بھی انکار کیا، کیونکہ شارع نے اس کا اعتبار نہیں کیا، استصلاح کو ماننا اور تقسیم بدعت کو نہ ماننا ظاہر ہے کہ یہ مذہبی تعصب ہے۔

وہ اس حدیث کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ سے اپنے اس انکار پر دلیل پیش نہیں کر سکتے، کیونکہ بغیر کسی استثناء کے جو بدعت، ضلالت ہے، وہ بدعتِ اعتقادیہ ہے، مثلاً وہ عقائد جو معتزلہ، قدریہ، مرجئہ وغیرہم نے سلف صالحین کے عقائد کے خلاف نکالے، یہ بدعت سیئہ ہیں کہ ان میں فساد ہی فساد ہے، مصلحت نام کو نہیں ہے۔ رہی بدعتِ عملیہ، یعنی کسی نئے عمل کا پیدا ہونا خواہ اُس کا تعلق عبادت سے ہو یا غیر عبادت سے اور وہ زمان اول میں نہیں تھا، اس میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی بیان کردہ تقسیم جاری ہوگی، اسے مطلقاً بدعتِ سیئہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ ان واقعات کے قبیل سے ہے جو زمانوں اور قوموں کے تغیر کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی حکم ضرور موجود ہوگا، خواہ وہ منصوص ہو یا استنباط کے کسی طریقے سے مستنبط ہو۔ دینِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر زمانے اور ہر مکان کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ دین تمام ادیان سے آخری اور سب سے زیادہ کامل ہے، کیونکہ قواعدِ عامہ اور قوانینِ جامعہ پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں اس امت کے علماء کو نصوص کا قوی فہم اور قیاس و استصحاب اور ان کی قسموں کی معرفت عطا کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری شریعتِ مبارکہ کی متعدد خصوصیات ہیں۔

اگر ہم علامہ شاطبی کا طریقہ مان لیں اور دورِ اول کے بعد پیدا ہونے والے ہر عمل پر بدعتِ سیئہ کا حکم لگا دیں اور یہ لحاظ نہ کریں کہ کس کام میں بہتری ہے اور کس میں خرابی، تو شریعت کے بہت سے قواعد اور قیاسات کو بیکار ٹھہرانا پڑے گا اور شریعت کے وسیع دائرے کو تنگ کرنا پڑے گا اور یہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے ——— اس

مختصر بیان سے علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے انکار کا خطا ہونا اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے مختار کا صحیح ہونا ظاہر ہوگیا جس کے ساتھ جمہور نے موافقت کی ہے۔

میلاد شریف

اس کتاب میں بدعت وسنت کے موضوع پر جو گفتگو کی گئی ہے، وہ میلاد شریف کی محفل کا جواز ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، چونکہ شیخ ابن منیع نے جوامع الممالکی میں اور شیخ تو یجری نے الرّد القوی میں محفلِ میلاد شریف کے رد اور اسے بدعت ثابت کرنے کے لیے بہت سے صفحات سیاہ کئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو اس موضوع پر الگ ایک کتاب لکھوں گا۔ قاعدہ ہے کہ جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے، اسے بالکل ترک بھی نہیں کر دیا جاتا، اس لیے میں نے پسند کیا کہ میری یہ کتاب مختصر اور مفید رد سے خالی نہ ہو، جو میلاد شریف کے جواز کو واضح کر دے ۔۔ یہ تحریر ہے شام کے مشہور عالم اور دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے سربراہ ڈاکٹر محمد سعید ملا رمضان البوطی کی۔

دسویں فصل

محفلِ میلاد شریف کے منکرین کا رد

ہر نئی چیز بدعت نہیں ہے

(ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی دشام)

اس میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں کہ جو کام اصطلاحِ شرعی کے لحاظ سے بدعت ہے، وہ گمراہی ہے، اس سے دور رہنا واجب ہے اور اس میں واقع ہونے سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا، اس کا ترجمہ یہ ہے:

"جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جس کی اصل اس دین سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔"

دوسری حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے:

"بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، بہترین سیرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو نو پیدا ہیں اور ہر بدعت ضلالت ہے۔"

لیکن اس بدعت سے کونسا معنیٰ مراد ہے؟

کیا اس کا لغوی معنی مراد ہے؛ جو لوگوں میں مشہور ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کی زندگی میں آنے والا ہر وہ نیا کام جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور نہ ہی آپ کے کسی صحابی نے کیا اور ان کے ہاں وہ معروف بھی نہ تھا ——— انسانی زندگی کے احوال اور طریقے تغیر پذیر ہیں، اس قانونِ تغیر پر پابندی لگائی جاسکتی ہے اور نہ ہی مرورِ ازمنہ

کے باوجود زندگی کو ایک حال پر منجمد کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ جو مختصر زمانہ بسر کیا، اس میں بھی زندگی ایک طریقے پر منجمد نہیں رہی، بلکہ آپ نے اور آپ کے صحابۂ کرام نے نت نئے حالات میں حیاتِ طیبہ بسر کی، صحابۂ کرام کی خوش قسمتی یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما تھے اور آپ حیاتِ انسانی کے اس پہلو کا اس طرح استقبال فرماتے کہ نہ تو اس کا مقابلہ کیا جائے اور نہ اس سے جنگ کی جائے۔ کئی نئے نئے عرف وہ تھے جن کی آپ نے تائید فرمائی اور صحابۂ کرام اور عرب کی زندگی میں پیش آنے والے بہت سے نئے نئے حالات ایسے تھے جن کا آپ نے خوش دلی سے استقبال کیا اور ان کی طرف دعوت دی، کیونکہ غور وفکر کے بعد یہ ثابت ہوگیا تھا کہ وہ احوال، دین کے اصول اور اس کے احکام کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ بعض اوقات ان احوال کے زندہ کرنے اور انہیں بہترین طریقے سے حاصل کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ یہاں تک کہ شریعتِ اسلامیہ کے علماء نے اس سے یہ قاعدہ اخذ کیا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، علماء احناف اور دیگر علماء نے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ عرف چند قیود کے ساتھ ایسا مأخذ ہے کہ مأخذِ شریعت اور اُس کے احکام کی بناء پر اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔

اس تفصیل کے پیشِ نظر یہ بات قطعاً غیر معقول ہے کہ بدعت کا عام معنی لغوی مراد ہو، بلکہ ہم نے مسلمانوں کے علماء اور فقہاء میں سے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے بدعت کی تفسیر اور تعریف میں یہ عجیب مذہب اختیار کیا ہو، ہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ بدعت کا خاص اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟

بدعت اور دین

میرے سامنے بدعت کی متعدد تعریفیں ہیں، الفاظ اور اسلوب کے اختلاف کے باوجود ان کا مرکز ومحور ایک معنی اصطلاحی ہے، لیکن میں ان میں سے دو تعریفوں کا ذکر کروں گا، یہ دونوں

تعریفیں امام شاطبی نے اپنی کتاب الاعتصام میں بیان کی ہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں؛

(۱) امام شاطبی ان علماء میں سے ہیں، جنہوں نے اس موضوع پر کھل کر گفتگو کی اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا۔

(۲) علماء متقدمین میں سے انہوں نے بدعت کے خلاف شدید جنگ کی ہے اور اس سے دور رہنے کے سلسلے میں تشدّد سے کام لیا ہے۔

پہلی تعریف: بدعت دین میں وہ خود ساختہ طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر چلنے کا مقصد، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ کرنا ہے۔

دوسری تعریف: دین میں خود ساختہ طریقہ جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر چلنے کا وہی مقصد ہو جو طریقہ شرعیہ سے مقصود ہوتا ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو تعریفیں اس لیے بیان کی ہیں کہ بعض علماء نے کہا کہ بدعت، عبادات کے ساتھ خاص ہے اور بعض نے اسے تمام افعال اور تصرفات پر محیط قرار دیا، اگرچہ بعد میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ بدعت، عبادات کے ساتھ خاص ہے، خواہ ان کا تعلق دل سے ہو اور وہ عقائد ہوں یا ظاہری اعمال سے اور وہ باقی تمام قسم کی عبادتیں ہیں۔

اس وقت ہمارا مقصد اس امر میں بحث یا غور و فکر کرنا نہیں ہے کہ انہوں نے دو تعریفیں کیوں کی ہیں؟ بلکہ ہم ان الفاظ پر غور کرنا چاہتے ہیں؛ طَرِيقَةٌ فِي الدِّينِ مُخْتَرَعَةٌ ــــــــــ کوئی عمل کس وقت بدعت کے زمرے میں داخل ہوتا ہے؟ جب کوئی شخص کسی عمل کو یہ جان کر اختیار کرے کہ وہ دین کا بنیادی عمل ہے اور دین کی ایسی جُزء ہے جو جُدا نہیں ہو سکتی، حالانکہ واقع میں وہ اس طرح نہیں ہے، یہی بدعت کی رُوح ہے اور یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا اور اسی لیے اس کا نام بدعت رکھا گیا ہے۔

اس کی واضح اور مستند دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ . . . . .) کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اَمْرِنَا سے مراد دین ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے ہمارے دین میں وہ چیز ایجاد کی، جس کی اصل، دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ اسی طرح وہ حدیث جسے امام طحاوی نے روایت کیا۔ فرمایا کہ چھ اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور ہر نبی کی دُعا قبول کی جاتی ہے۔ وہ چھ افراد یہ ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے دین میں اضافہ کرنے والا (۲) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار کرنے والا (۳) زبردستی مسلط ہو کر ان لوگوں کو ذلیل کرنے والا، جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ہے اور ان لوگوں کو عزت دینے والا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہیں (۴) میری سُنّت کا ترک کرنے والا (اسے معمولی جانتے ہوئے) (۵) اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال جاننے والا (۶) میری عترت سے وہ معاملہ حلال جاننے والا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بدعت کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ بدعت، نفس دین اور اس کی بنیادوں میں اس چیز کو داخل کر دیتا ہے جو اس میں سے نہیں ہے۔ اور جب شریعت کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اُس کی شریعت پر کسی زیادتی یا تبدیلی کی گنجائش نہیں رہ جاتی ــــــــــ رہے باقی افعال اور تصرفات جو بعض اوقات انسان سے صادر ہوتے ہیں اور اس کا تصور یہ نہیں ہوتا کہ یہ دین کے بنیادی امور میں سے ہیں، یا اس کے احکام میں سے چند احکام ہیں، اس نے یہ افعال کسی مقصد کے پورا کرنے یا دینی یا دنیاوی مصلحت کے پیشِ نظر کیے ہیں، تو انہیں کسی طرح بھی بدعت نہیں کہا جا سکتا، اگرچہ وہ مسلمانوں کی تاریخ میں نو پیدا ہوں اور ان کے ہاں اس سے پہلے معروف نہ ہوں وہ یا تو ان امور کے تحت داخل ہوں گے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنّتِ حسنہ فرمایا ہے یا ان امور کے تحت جنہیں سنّتِ سیئہ فرمایا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ امام مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا، اس کے لیے

اس کا اور اس کے بعد اُس پر عمل کرنے والوں کا اجر ہے، جبکہ بعد والوں کے اجر میں بھی، کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں بُرا طریقہ نکالا، اس پر اس کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہے، بغیر اس کے کہ بعد والوں کے گناہ میں کمی کی جائے۔

معیار کیا ہے؟

اس کے بیان کے لیے طویل تفصیل کی ضرورت ہے، لیکن ہم آئندہ سطور میں مختصرًا بیان کرتے ہیں:

بدعت کا تفصیلی ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے، انسانی افعال اور تصرفات اگر اس بدعت کے تحت داخل نہیں، لیکن شریعت میں ثابت شدہ اوامر یا نواہی کے منافی ہیں، تو انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف، حرام یا مکروہ کہا جائے گا، خواہ وہ نو پیدا ہوں یا قدیم اور معروف، مثلاً اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں یا ایسی مجالس جن میں مخالفِ شرع امور کا ارتکاب کیا جاتا ہو، ان کا حکم واضح ہے اور محتاجِ بیان نہیں ہے۔

اور اگر وہ افعال، شریعت کے احکام اور تفصیلی آداب کے موافق ہیں اور نہ مخالف تو ان پر نتائج اور ثمرات کے لحاظ سے احکام جاری ہوں گے۔ پانچ امور ایسے ہیں جن سے متعلق مصالح کی حفاظت کے لیے دین آیا ہے، یعنی دین[۱]، زندگی[۲]، عقل[۳]، نسل[۴] اور مال[۵]۔
وہ افعال جو احکامِ شریعت کے موافق یا مخالف نہیں ہیں، اُن سے اِن پانچ مصلحتوں میں سے کوئی ایک مصلحت حاصل ہوتی ہے، تو وہ سنتِ حسنہ کے قبیلے سے ہیں، البتہ واجب یا مستحب ہونے کے لحاظ سے ان میں فرق ہوگا، جس قدر اس مصلحت کے ثابت کرنے کی ضرورت زیادہ ہوگی، اسی قدر اس فعل کی طلب بھی شدید ہوگی، کیونکہ یہ فعل کبھی تو ان مصلحتوں کی بنیادی ضرورت ہوگا اور کبھی ان کی آرائش اور زیبائش کے ذیل میں آئے گا۔
اور جو فعل ان مصلحتوں میں سے کسی ایک کو ختم کرنے یا اُسے نقصان پہنچانے کا سبب ہوگا۔

وہ سنّتِ سیّئہ کے زمرے میں آئے گا، کبھی حرام اور کبھی مکروہ ہوگا ـــــــ اور جو فعل ان مصلحتوں کے لیے مفید یا مضر نہیں ہوگا، اسے مباح یا عفو کے ذیل میں شمار کیا جائے گا۔

جب یہ حقیقت تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آگئی، تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ بدعتِ حسنہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے جیسے کہ بعض حضرات نے دورانِ بحث وہم کیا، بلکہ اصطلاحِ شریعت میں بدعت، ضلالتِ قبیحہ ہی ہوتی ہے، کیونکہ بدعت کا معنیٰ یہ ہے کہ دین کے بنیادی امور میں اضافہ کر دیا جائے جو کسی صورت میں حَسَن نہیں ہوسکتا ـــــــ بعض اہلِ علم نے جس امر کو بدعتِ حسنہ گمان کیا ہے، وہ اس طریقے کے ذیل میں آئے گا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنّتِ حسنہ فرمایا ہے اور یہ وہی ہے جسے علماءِ اصول نے بعد میں مصالحِ مرسلہ کا نام دیا ہے۔

اس سنّتِ حسنہ کی مثال وہ محافل ہیں، جنہیں مسلمان مختلف مناسبتوں سے منعقد کرتے ہیں، مثلاً سنِ ہجری کی ابتداء میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر، اسراء اور معراج کے بیان کے لئے، فتحِ مکّہ اور غزوہ بدر وغیرہ کے ذکر کے لیے منعقد کی جانے والی محفلیں، جن سے دینی مصلحت سے متعلق فائدے کے حاصل ہونے کی توقع ہوتی ہے، خواہ وہ مصلحت از قبیل ضرورت ہو یا آرائش ـــــــ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ سب اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان اعمال کے آثار اور ثمرات ایسے نہ ہوں ـــــ جو مذکورہ بالا مصلحتوں کے لیے مضر ہوں، وہ مصلحتیں ان افعال پر بہر حال مقدم ہیں۔

محفلِ میلاد شریف بدعت نہیں ہے

بدعات کے سلسلے میں غور و فکر، ان کے خلاف جنگ کرنے اور لوگوں کو ان سے دُور رکھنے کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل، وہ علمی انداز ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے اور بلا شبہہ

علمی انداز کی پیروی کرنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر یا دیگر مناسبتوں کے پیشِ نظر منعقد کی جانے والی محافل کو بدعت قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ ان محافل کا منعقد کرنے والا کوئی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ محافل دین کی جزء ہیں یا دین کی حقیقت میں داخل ہیں کہ اگر انہیں ترک کیا گیا، تو ترک کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ یہ محافل اجتماعی مسرت وشادمانی کی مظہر ہیں جن سے دینی بھلائی کی توقع ہوتی ہے ——— نیز یہ سنتِ سیئہ کے ذیل میں ہر گز داخل نہیں ہیں، بشرطیکہ ان میں کسی حرام کام کا ارتکاب نہ کیا جائے اور یہ محفلیں ایسے کاموں سے پاک ہوں جو اُس فائدے ہی کو ضائع کر دیں جس کے حصول کی ان محافل سے توقع کی جاتی ہے۔

اور اگر ہم کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو ان مجالس میں ایسے کام بھی شامل کر دیتا ہے، جو ان کے نتائج وثمرات کے لیے مضر ہو تو واجب ہے کہ اسے ایسے کام شامل کرنے پر تنبیہ کی جائے، نہ یہ کہ اسے اصل کام ہی سے روک دیا جائے، ورنہ کتنے لوگ ہیں جو عباداتِ مشروعہ کو غلط طریقے سے ادا کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن ثمرات کی توقع تھی، وہ حاصل نہیں ہوتے، کیا ایسے شخص کو عبادات کی ادائی ہی سے روک دیا جائے گا؟ (خلاصہ یہ کہ اگر کوئی شخص محفلِ میلاد میں غلط کام کرتا ہے، تو اسے غلط کام سے روکا جائے نہ کہ میلاد شریف سے، مثلاً مسجد میں کتا داخل ہو جائے، تو اسے مسجد سے نکالنا چاہیے نہ کہ مسجد ہی گرا دی جائے ۱۲ قادری)

ہمیں تسلیم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا واقعہ سننے کے لیے لوگوں کا جمع ہونا ایک ایسا امر ہے جو آپ کے زمانۂ مبارکہ کے بعد پیدا ہوا، بلکہ اس کا ظہور ہی چھٹی صدی کے اوائل میں ہوا، لیکن سوال یہ ہے کہ محض اس بناء پر اسے بدعت کہنا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[1] کے تحت داخل کرنا صحیح ہے؟ ——— اگر ایسا ہے تو انہیں چاہیے کہ

---

[1] جس نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام نکالا، جو اس سے نہیں ہے، وہ مردود ہے ۱۲ قادری

اگر ان کے بس میں ہو تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہونے والی ہر چیز کو اپنی زندگی سے نکال دیں، کیونکہ وہ سب کچھ از قبیل بدعات ہے۔

اس تمام گفتگو کے بعد میں کہتا ہوں کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ بدعت کا جو مطلب ہم نے سمجھا ہے، وہ غلط ہے اور صحیح وہ ہے جو مخالفین کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز بدعت اور حرام ہے جو لوگوں نے نئی ایجاد کی، اگرچہ وہ اسے نفس دین اور اس کے احکام میں داخل بھی نہ مانتے ہوں، تاہم یہ مسئلہ اختلافی ٹھہرے گا جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ (اس سلسلے میں ایک فریق کا دوسرے فریق کو مشرک قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ ۱۲ قادری)

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب میں سے یہ ہے کہ ان اوصاف کا حامل جب مجمع عام میں کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے امور سے سامعین کو منع کرے جن کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہو اور رُوئے سخن ان مسائلِ اجتہادیہ کی طرف نہ موڑے جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہے۔ مسائلِ اجتہادیہ میں مجتہدین اس سے زیادہ کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کا فہم و اجتہاد جہاں تک پہنچا ہے، اسے اپنا لیں۔ مختلف فیہ مسائل میں سختی سے منع کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اختلافات کی خلیج مزید وسیع ہو جائے، مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے اور بغض و عناد کا تعفن ہر سو پھیل جائے گا۔

ہمارے سامنے اور آس پاس ایسے بڑے بڑے جرائم بکھرے ہوئے ہیں، جن کے خطرناک ہونے اور مضرت رسانی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کے علاج اور ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے اپنی قوم کو متحد کرنے میں اگر ہم اپنی تمام زندگی بھی صرف کر دیں تو شاید کافی نہ رہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان جرائم کو نظر انداز کر دیں، جن کے بارے میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے اور اپنے شخصی اجتہادات کی حمایت اور ان سے مختلف نکتۂ نظر سے محاذ آرائی میں مصروف ہو جائیں، حالانکہ ان جرائم سے چشم پوشی اور خاموشی اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے جو بالاتفاق ممنوع اور ناجائز ہیں ——— (ڈاکٹر بوطی کا مقالہ ختم ہوا)

خاتمہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق وعنایت سے یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے، اسے فائدہ مند بنائے اور حبیبِ کریم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے دلوں کو قریب کرنے اور اُس حق وصداقت پر مجتمع ہونے کا سبب بنائے جس کی تبلیغ کے لیے آپ کو مبعوث فرمایا اور جس کی ہدایت دی۔

میں نے اس کتاب میں کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال وافعال سے دلائلِ شرعیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور مخالفین سے گفتگو کرنے اور ان پر رد کرتے میں اسلامی آداب واحکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی شائستہ انداز اختیار کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حکمت ودانش، مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے اور مخالفین کو جب حق کا ادراک ہوگا اور روشن دلائل سے حق بے نقاب ہوگا، تو وہ ضرور اس کی طرف رجوع کریں گے اور اسے قبول کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ!

ان حضرات کو چاہیے کہ ذاتی انا کو برطرف کر دیں جو وسیع عالمِ اسلام میں ان کے اور جمہور مسلمانوں، اہل سنت وجماعت کے درمیان دبیز پردے کے طور پر حائل ہے۔

اب وقت آچکا ہے کہ اہلِ اسلام حج کریں، اور اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور اور آپ کی مسجد شریف کی زیارت کریں۔ محبت ومودت اور اخوت کی نگاہیں ایک ایک چپے کا احاطہ کرلیں۔

ہم اپنے دشمنوں، یہود ونصاریٰ، مجوس اور ان کے سرپرستوں پر غالب آنے کی امید کس طرح کر سکتے ہیں؟ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ دیکھنے والا ہمیں مجتمع دیکھتا ہے، اور ہمارے دلوں میں مشرق ومغرب کی دوریاں پیدا ہو چکی ہیں۔ ہم میں سے ایک دوسرے کو بدعتی، کافر اور مشرک قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد ۱۳:۱۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلیں۔"

اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے کا گواہ ہے، وہی توفیق کا مالک ہے، برائی سے باز رہنے اور نیک کام کرنے کی طاقت اسی کی عنایت سے ملتی ہے۔ اسی سے امداد کی درخواست ہے، اسی پر بھروسہ ہے۔ دُنیا و آخرت میں اسی کے لیے حمد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔

السید یوسف السید هاشم رفاعی

ص۔ب (٤٢٠) الصفاة

المنصورية ـــــ الكويت

مآخذ و مراجع

۱- قرآن کریم

۲- صحاح ستہ شریفہ

۳- مجموع الاربعین من احادیث سید المرسلین، از علامہ نبہانی

۴- الایمان بعوالم الآخرۃ ومواقفہا، از علامہ شیخ عبداللہ سراج الدین

۵- الاقتراح فی بیان الاصطلاح، از امام تقی الدین بن دقیق العید

۶- العقائد الاسلامیہ، از علامہ شیخ سید سابق

۷- قضایا الوسیلہ، از شیخ محمد زکی ابراہیم

۸- طی السجل واشرف الوسائل، از سید محمد مہدی رفاعی الرواس

۹- نور الاسلام، از شیخ عبدالکریم محمد، مدرس

۱۰- البرہان المؤید، از حضرت سید احمد رفاعی

۱۱- الدولۃ المکیۃ، از حضرت شیخ مولانا احمد رضا خاں

۱۲- لطائف المعارف، از امام ابن رجب علی حنبلی

آرڈر	کتب	نام مصنف	قیمت
	المقدمۃ الجزریۃ (مترجم)	علامہ جزری شافعی ترجمہ قاری محمد یوسف	۵/۰۰
	العقد النامی شرح شرح جامی عربی	علامہ رحمی اکینی	۶۵/۰۰
	المرقاۃ (عربی) علامہ فضل امام	حاشیہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری	۱۳/۵۰
	بدائع منظوم	حاشیہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری	۶/۰۰
	تجوید	استاذ القراء قاری محب الدین احمد	۲/۲۵
	تاسیس النظر عربی	امام ابو عبد اللہ بن عمر بن عیسی الابوسی	۱۰/۰۰
	پندنامہ	شیخ عطار - حاشیہ مولانا بشیر احمد سیالوی	۵/۰۰
	جواہر المنطق	مولانا بدر الدین احمد قادری	۸/۰۰
	شرح میر زاہد ملا جلال (عربی)	شارح علامہ عبد الحق خیر آبادی	۱۸/۰۰
	شرح مرقات	" " "	۱۸/۰۰
	صرف بھترال	مولانا حکیم منور الدین	۱۰/۵۰
	فارسی قاعدہ	مولانا عبد الرشید فتح پوری	۳/۰۰
	قانونچہ کھیوالی	مولانا نور الحسن	۷/۰۰
	کریما (سعدی)	حاشیہ مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری	۲/۰۰
	نام حق	" " "	۳/۰۰
	نحو میر (اُردو)	" "	۱۳/۵۰
	نقشۂ صرف	مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی	۵/۰۰
	التوسل	حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی	۶/۰۰
	اسلامی نصاب دوم	جناب قاضی عبد الحکیم ایم اے	۱۰/۵۰

آرڈر	کتب	نام مصنف	قیمت
	اسلامی نصاب چہارم	جناب قاضی عبدالحکیم ایم اے	۱۶/۵۰
	المبین (عربی زبان کی برتری)	مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری	۲۱/۰۰
	الروض المجود (تحقیق مسئلہ وحدۃ الوجود)	علامہ فضل حق خیر آبادی	۷/۵۰
	زلزلہ انگریزی ترجمہ	علامہ ارشد القادری	۳۰/۰۰
	العلامۃ فضل حق الخیر آبادی (عربی)	ڈاکٹر قمر النساء بیگم	۹۰/۰۰
	الیواقیت المہریۃ (عربی)	مولانا غلام مہر علی چشتی	۱۵/۰۰
	امتیاز حق	راجا غلام محمد	۱۸/۰۰
	استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی	نواب محمد حبیب الرحمن خان شیروانی	۴/۵۰
	تاریخی فیصلہ	مولانا محمد وجیہ الدین امانی	۴/۵۰
	تاریخ تناولیاں	سید مراد علی علی گڑھی	۷/۵۰
	خطبات رضویہ	اعلیٰ حضرت بریلوی	۳/۰۰
	دوام العیش	" " "	۷/۵۰
	دو اہم فتوے	"	۷/۵۰
	دو نامور مجاہد	مولانا محمد صدیق ہزاروی	۴/۵۰
	سبع سنابل (فارسی)	سید السادات امیر عبدالواحد بلگرامی	۲۷/۰۰
	سُنی کانفرنس ملتان (روئداد)	محمد عبدالحکیم شرف قادری	۶/۰۰
	قاضی سلطان محمود	سید نور محمد قادری	۱/۵۰
	مولانا عبدالقدیر بدایونی	پروفیسر محمد مسعود احمد	۲/۰۰
	نغمۂ توحید	مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری	۱۸/۰۰

المطبوعات العربية

الكتاب	المؤلف	الثمن
حاشية البيضاوى	للعلامة عبد الحكيم السيلكوتى ..	٨٠
شرح القصيدة البردة	للعلامة على القارى ..	٣٥
القول البديع	للعلامة السخاوى ..	٢٧
الجوهر المنظم	للعلامة احمد بن حجر المكى ..	١٢
مفاهيم يجب ان تصحح	للعلامة محمد بن علوى المكى ..	٣٦
العلامة فضل حق الخير آبادى	للدكتورة قمر النساء ..	٩٠
اليواقيت المهرية	للعلامة غلام مهر على ..	١٥
حاشية القاضى مبارك	للعلامة فضل حق الخير آبادى ..	٤٥
شرح الحواشى الزاهدية على ملاجلال	للعلامة عبد الحق الخير آبادى ..	١٨
شرح المرقاة	" " ..	١٨
الدعوة الى الفكر	للاستاذ محمد منشا تابش القصورى ..	٢٥
العقد النامى على شرح الجامى	للعلامة محمد رحمى الاكينى ..	٦٥
فواتح الرحموت فى شرح مسلم الثبوت	للعلامة بحر العلوم عبد العلى اللكنوى ..	١٢٥
تاسيس النظر	للامام عبد الله بن عمر الدبوسى ..	١٠
كنز الدقائق	للامام عبد الله بن احمد النسفى ..	١٢٠
الهداية (ج ٢-١)	للامام على بن ابى بكر المرغينانى ..	١٠٠
شرح العقائد	للعلامة سعد الدين التفتازانى ..	٣٥
شرح التهذيب	" عبد الله اليزدى ..	١٦
القطبى	" قطب الدين الرازى ..	٣٦
مرقاة الفرائض	" المفتى السيد افضل حسين ..	١٢

مکتبہ قادریہ کی گراں قدر پیشکش

العلامہ فضل حق خیر آبادی

مع تحقیق کتابہ

الثورۃ الہندیۃ

محترمہ فاضلہ قمر النساء بیگم ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، لیکچرار گرلز کالج، انوار العلوم، حیدر آباد۔ دکن (بھارت) کا مایہ ناز تحقیقی عربی مقالہ جس پر موصوفہ کو جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

پانچ سو صفحات پر مشتمل اِس مقالہ میں مجاہدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء بطلِ حریت، خاتم الحکماء والمتکلمین علامہ فضل حق خیر آبادی قدس سرہٗ کے علم و فضل، شعر و سخن اور مجاہدانہ کارناموں کا دلکش انداز میں جائزہ لیا گیا ہے — جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی خوں رنگ داستان — علامہ کے قلم کے تاریخی ادبی شاہکار الثورۃ الہندیۃ کی تحقیق — علامہ کے قصائد و مکاتیب کا نادر مخطوطہ خود علامہ کے قلم سے۔

قیمت ... ۹۰

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور